جلد (۳) مئی ۱۹۰۲ء نمبر ۲

ایڈیٹر
شیخ عبد القادر بی۔ اے

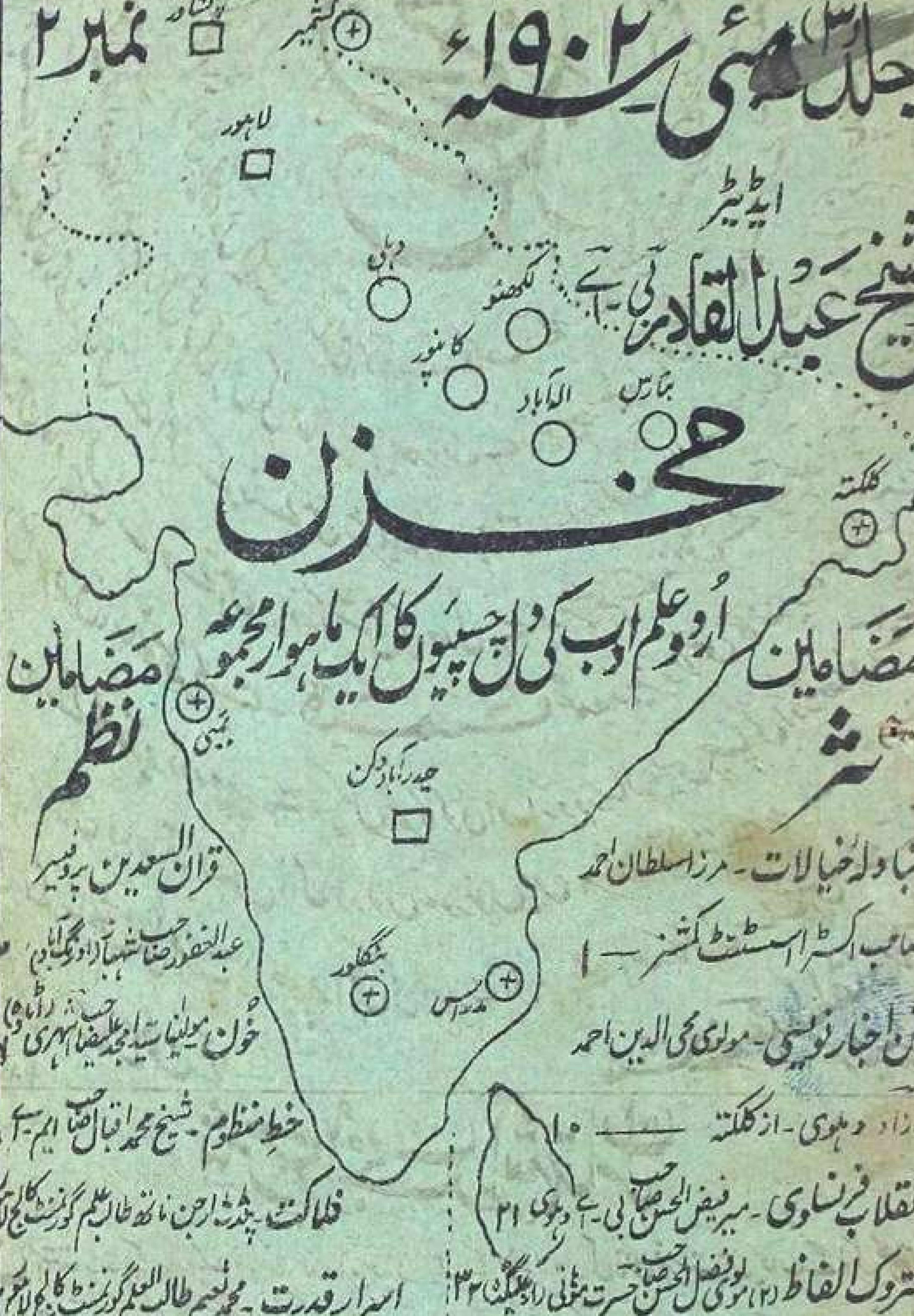

مخزن

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

مضامین نثر

تبادلۂ خیالات - مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر — ۱
فن اخبار نویسی - مولوی محی الدین احمد آزاد دہلوی - از کلکتہ — ۱۰
انقلاب فرانس - میر فیض الحسن صاحب بی۔ اے دہلوی ۲۱
متروک الفاظ (۲) مولوی فضل الحسن صاحب حسرت موہانی راہ علیگڈھ ۳۲
رویائے مرزا ذکاء الدین خان زمن کرسچن کالج ۳۶

مضامین نظم

قران السعدین پروفیسر عبد الغفور صاحب شہباز (اورنگ آبادی) ۴۳
خون مولانا سید احمد علی صاحب شہری (رانداوی) ۴۶
خطِ منظوم - شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے ۴۸
فلاکت - پنڈت رحمن ناتھ طالب علم گورنمنٹ کالج لاہور ۵۰
اسرارِ قدرت - محمد نعیم طالب العلم گورنمنٹ کالج لاہور ۵۱
چٹکول — ۵۳

نو کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں - اور اسی قدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں
○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ☐ ان شہروں میں اردو مروج ہے ⊕ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے۔

خادم التعلیم پنجاب پریس لاہور میں منشی محمد عبد العزیز کی اہتمام سے چھپا
اور شیخ عبد القادر بی۔ اے مالک و ایڈیٹر نے شائع کیا

مخزن

مخزن انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہے - ملک کے مستند اور مشہور انشا پرداز [illegible] ۱۹۰۵

[illegible] اہل قلم کی اس کی اعانت میں مصروف ہے - یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ڈگریاں پانے والے [illegible]

[illegible] شوق سے اُس کے بنانے میں شریک ہو رہے ہیں - اور کوئی رسالہ ایسا نہیں ہوتا جس میں [illegible]

مضامین علم و دلچسپی کے ہوتے ہیں - اور کوشش کی جاتی ہے کہ ہر قسم کے مذاق کے لئے کچھ نہ کچھ [illegible]

کی تقطیع پر (مع سرورق) ساٹھ صفحہ کا ہے - **قیمت** عمدہ دبیز ولایتی کاغذ پر بالاتصال تین روپیہ

اور دوم درجہ کے کاغذ پر دو روپیہ ہے - اس حجم کا کوئی اور اردو رسالہ ایسی چھپائی اور لکھائی کے ساتھ

ان قیمتوں پر نہیں دیا جاتا - محصول ڈاک دونوں صورتوں میں ۶ آنہ سالانہ ہے * [illegible]

خریداری کے ساتھ پیشگی قیمت یا ویلیو پے ایبل کی اجازت آنی چاہیئے - ابعد کا کوئی حساب نہیں - نمونہ کے

پرچہ کے لئے چار آنے کے ٹکٹ آنے چاہئیں ** ---

شیخ عبدالقادر
ایڈیٹر

شرح اُجرت اشتہارات

مخزن اشتہارات کے لئے ایک نہایت عمدہ ذریعہ ہے - اس کے خریداروں کی لمبی فہرست میں پنجاب کے لوگ بھی ہیں اور صوبجات متحدہ و اودھ کے بھی - اضلاع دکن اور حیدرآباد میں بھی بکثرت بکتا ہے - اور وہاں کے امرا اور رؤسا کی ایک کثیر تعداد اس کے قدردانوں میں ہے - شمالی ہندوستان کے بھی معزز ترین مسلمانوں کے اسمائے گرامی اس کی فہرست میں شامل ہیں - اس لئے اس کے ذریعہ اشتہار دینے والے حضرات جلد اس کی قابلیت اشتہار کا اندازہ کر سکینگے - ایک سہ ماہی کے لئے آزما کر اگر فائدہ نظر آئے تو سال بھر کا معاہدہ کریں - اُجرت اشتہارات فی صفحہ (سال بھر کے معاہدہ کے لئے) [illegible] ششماہی کے لئے [illegible] اور سہ ماہی کے لئے [illegible] روپیہ - فی نصف صفحہ سال بھر کے واسطے [illegible] روپیہ ششماہی کے واسطے [illegible] اور سہ ماہی کے لئے [illegible] اتفاقی اشتہارات کے لئے ۲ فی سطر اور شرح میں کمی کی گنجائش نہ [illegible]

شیخ عبدالقادر مالک ایڈیٹر

مخزن

تبادلۂ خیالات

(۱)

جناب مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر جو مضمون نگاری میں محتاجِ تعریف نہیں ہماری درخواست پر ازراہ عنایت یہ سلسلہ مضامین شروع کرتے ہیں - امید کہ ناظرین اس سلسلہ کو اُس دلچسپی سے پڑھینگے جسکی مرزا صاحب موصوف کی تحریریں مستحق ہوتی ہیں :-

کوئی چارہ تھا نہ مجبوری میں کوشش کے سوا
رہنمائے منزلِ مقصد ضرورت بن گئی

دُنیا میں جو جو واقعات ظہور میں آتے ہیں - لوگ انکی وقوعی حالتوں یا تکلیفات کو محسوس کرتے ہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں ایک حالت دُوسری حالت سے بدل جاتی ہے ایک کیفیت یا ایک حالت کے بعد دُوسری کیفیت یا دوسری حالت آتی اور اپنا رنگ جماتی ہے -

ان حالات میں یہ کہنا پڑیگا کہ دُنیا میں جو کچھ وقوعہ ہوتا ہے اُس کے آثار باقی رہتے ہیں اور ہر ایک وقوعہ معدوم ہونے سے پہلے اپنا اثر اور اپنا رنگ چھوڑتا ہے -

مجموعۂ عالم میں جس قدر ترقیاں ہوئیں یا اب ہو رہی ہیں - یا جو آیندہ ہونگی اُنکا وجود

یا حدوث مجموعی طاقتوں یا اسباب سے ہوا ہے یا ہوگا۔ اگرچہ بظاہر اسباب دُنیا کا ہر ایک کام فرداً فرداً ہو رہا ہے اور ہر کارکن بجائے خود اپنا ہی خواہ اور اپنا ہی مزدور ہے۔ لیکن درحقیقت ایک فرد دُوسرے کا غلام اور ایک طاقت دُوسرے کی مقید اور پابند ہے۔

ایک بڑھئی یا ایک لوہار اپنے پیٹ کی خاطر بظاہر صرف اپنے واسطے مزدوری کرتا۔ اور طرح طرح کی کاریگریاں دکھاتا ہے مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ وُہ اپنے فائدہ کے ساتھ ہے دوسروں کی خدمت بھی کرتا ہے۔ چاہے کوئی شخص کوئی کام کسی ہی نیت اور کسی ہی خودغرضی سے کرے اُس میں دُوسروں کا فائدہ یا نقصان ضرور ہوتا ہے۔

اگر ایک شخص بے وقوفی سے خودکشی کر بیٹھے تو گو وُہ اپنی ہی جان کھوتا ہے لیکن چشم غور سے دیکھو گے تو پتہ لگ جاویگا کہ اُس کی اس بزدلانہ حرکت نے اُسے یا اُس کے خاندان کو ہی ہلاکت میں نہیں ڈالا بلکہ اور افراد پر بھی مہلکانہ اثر کیا ہے بعض پر مالی اثر پڑا ہے۔ اور بعض پر اخلاقی اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ کرتا ہوں اپنی ہی خاطر کر رہا ہُوں یا یہ کہ دنیا کے دُوسرے افراد اس کے واسطے کچھ بھی محنت اور کلفت نہیں اُٹھاتے تو یہ اُس کی ایک فاش اور عملی غلطی ہوگی۔ زید تمام دُنیا کا خود بھی مزدور ہے اور ساری دُنیا اُس کے واسطے بھی مزدُوری کرتی ہے۔

مختلف محنتوں اور کلفتوں کا آپس میں ایک عمدگی کے ساتھ تبادلہ ہوتا رہتا ہے اور ایک محنت یا کلفت دوسری محنت یا کلفت کی قائمقامی کرتی ہے بعض لوگوں نے اس اندرونی تبادلہ پر غور نہیں کیا اور نہ یہ سمجھا ہے کہ محنت محنت کا معاوضہ کیونکر ادا کرتی ہے۔ اگر ایک نقشہ بنا کر دیکھا جاوے کہ محنتیں کیونکر متبادل ہوتی ہیں تو کہنا پڑیگا کہ گو محنت کرنے والوں کو علم نہ ہو لیکن ایک محنت دُوسری محنت سے روز ادلتی بدلتی رہتی ہے اور اس کے سوا گذارہ نہیں۔

دو قومی صُورتیں اور عملی کیفیات ہی متبادل نہیں ہوتی ہیں اور یہ مضمون یہیں نہیں میں

جاری نہیں بلکہ خیالی دُنیا میں بھی یہ سلسلہ جاری اور قائم ہے ۔ جس طرح ایک ٹرین ہر دن اور ہر گھڑی ہزاروں سواریوں اور لاکھوں من مال کا تبادلہ کرتی اور شہروں کی رونق یا بے رونقی کا باعث ہوتی ہے ۔ اسی طرح خیالات کی ٹرین لاکھوں خیالات کو تبادلہ کی صُورت میں اِدھر اُدھر ڈھالتی پھرتی ہے ۔

گو بہت لوگ تبادلۂ خیالات کی دھیمی اور غیر محسوس رفتار کو محسوس نہ کرتے ہوں اور اُنکے نزدیک دُنیا کی خیالی ٹرین ایک ہی محدود دائرے میں چل رہی ہو مگر درحقیقت ہر لمحہ اور ہر لحظہ خیالات کی ٹرین مختلف لائینوں پر آتی جاتی ہے اور سلسلہ خیالات میں نشو و نما اور کمی بیشی یا تبادلہ ہوتا رہتا ہے ۔

اس تبادلہ پر دنیا کی رونق اور ترقی کا مدار ہے اس کے سہارے یہ دھندا چل رہا ہے اسوقت دُنیا کی منڈی کو جو یہ رونق اور یہ جوبن حاصل ہے اس کا اصلی موجب کیا ہے ۔ بس یہی تبادلہ ۔

اگر یہ نہ ہوتا تو وُہ بابا آدم والی پورانی کٹھیا اور پتوں کی مقدس جلی نظر آتی ہمیں بامعان نظر دیکھنا چاہیے کہ

(الف) دُنیا کی ترقی کس امر پر موقوف ہے ۔

(ب) تبادلہ کیا ہے ۔

(ج) اُس کے اقسام کیا ہیں ۔

(د) تبادلہ کی سودمندی یا ناسودمندی کا معیار کیا ہے ۔

(ہ) تبادلہ کی اعلیٰ غرض کیا ہے ۔

(و) بلحاظ ضرورت اور عدم ضرورت کے تبادلہ کا اثر کیا ہے ۔

(ز) بالفاظ دیگر تبادلہ کیونکر تعبیر کیا گیا ہے ۔

(۱) گو دنیا کی ترقی کا ایک اصُول یا ایک طریقہ نہیں ہے لیکن مشاہدات اور تجربوں نے

یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ دُنیا کی ترقّی اور بہبود کا مدار غالباً مندرجہ ذیل امُور پر موقوف ہے۔

اوّل۔ معاشرتی ضروریات کے واسطے جو امُور ضروری الاخذ ہیں وُہ مہیّا کیئے جائیں۔

دوم۔ جن امُور اور جن کوائف سے معاشرتی اغراض کا تہیّہ ہوتا ہو وُہ موجُود ہوں۔

سوم۔ معادی اور معاشرتی مشکلات نہ رہیں۔

چہارم۔ دنیا کی منڈی میں باعتبار معاشرتی اصُولوں کے جو جو مواد مہیّا ہو چکے ہیں اُنکو قیام اور جدید مواد کی تکمیل اور ظہور ہو۔

پنجم۔ جو امور اور جو کوائف مخفی ہیں انکا اظہار کیا جاوے۔

ششم۔ جو باتیں اور جو کمالات ایک فرد یا ایک گروہ کو حاصل ہیں۔ دوسرے بھی اُن سے مستفید ہوں۔

ھفتم۔ نقص اور خوبی کے اعتبار سے دنیا کے معاملات میں ایک تمیز اور حد فاصل واقع یا حائل ہو۔

قریباً یہی سبعۂ ضروریہ ہیں کہ جس پر دُنیا کی ہر ایک قسم کی ترقّی کا انحصار اور مدار ہے۔ اور انہی مواد کی تحصیل میں دنیا اور دنیادار سرگردان اور حیران ہیں۔

۲۔ ایک ہستی یا ایک وجُود جب دوسری ہستی یا دوسرے وجُود کو دیکھتا یا اس سے کچھ سنتا یا پاتا یا حاصل کرتا ہے خواہ وہ عینی ہو یا حِسّی یا لمسی یا وہمی تو وُہ ایک تبادلہ کرتا ہے۔

یا یُوں کہو کہ۔ تبادلہ۔ روئت۔ احساس۔ لمس۔ تخیل۔ وہم۔ تصور۔ تخاطب مکالمت۔ اور تداول کا ایک انتقالی نام ہے۔ یعنی ان کوائف کا انتقال

ایک تبادلہ ہے۔

۳۔ تبادلہ کی قسمیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں۔

(الف) عینی۔

(ب) سمعی۔

(ج) وجدانی۔

(د) حسّی۔

(ہ) لمسی۔

(و) وجودی۔

(ز) خیالی۔

العینی۔ جب انسان یا کوئی اور ذی رُوح دوسری ہستی یا دُوسرے وجود کو دیکھتا یا پاتا ہے تو اس وقت اُس کے عینی ادراک سے اُس کے ذہن اُس کے باطن۔ اُس کے حواس پر ایک نیا اثر ہوتا ہے وُہ اپنے دل اور اپنے دماغ میں ایک حرکت اور ایک جذب محسوس کرتا ہے۔

وہ جذب اور وُہ عینی احساس ایک تبادلہ ہے کیونکہ جس طرح اس کے دل و دماغ پر ایک اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح دُوسری ذات متاثر ہوتی ہے۔ جب ہم ایک جرمنی یا ایک چینی کو دیکھتے ہیں تو ہماری نگاہیں اپنے دل اور اپنے دماغ میں اُن تازہ معلومات کا ایک ذخیرہ بناتی ہیں اور اُس ذخیرے سے خیالات پر ایک مسلسل اثر پیدا ہو کر نئی نئی صُورتیں وجدانی طور پر متشکل ہو کر ایک جدید راہ اور ایک نیا نقشہ دکھاتی ہیں۔ عام اس سے کہ وُہ جدید راہ یا جدید نقشہ اثر کے لحاظ سے کس حیثیت کا ہو۔

ہم اپنی آنکھوں اور اپنی دوربین نگاہوں کو مفت ہی صرف نہیں کرتے بلکہ

اُن کی بدولت اَوروں سے کچھ لیتے ہیں اور خود انکو کچھ بخشتے ہیں قبل اِس کے کہ ہم نے کسی جدید وجُود یا جدید ذات کا مطالعہ نہیں کیا تھا ہمارے دل یا ہمارے دماغ میں کوئی یا کسی قسم کا عملی اثر نہیں تھا۔ لیکن جوں ہی کہ صُورتِ تناظر حائل ہوئی ایک عملی اثر پیدا ہوگیا۔ ہماری نظریں جُدا ہوگئیں اور ہماری نگاہوں میں ایک بُعد حائل ہوگیا لیکن ہمارے دلوں میں ایک کیفیت نمودار ہوتی جاتی ہے ہم بہ نسبت پہلے کے اپنے آپ کو ایک سودمندی یا ناسودمندی کی حالت میں پاتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں اور ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے صفحۂ قلب پر کونسا انوکھا نقش یا عکس اُتر رہا ہے۔

نگاہیں جُدا ہوگئیں اور دلوں نے اُن سب کوائف کو رکھ لیا۔

اشکے کہ مرا زچشم نم دیدہ برفت	لختِ دلِ من بود کہ غلطیدہ برفت
درہجر تو ایں قدر مرا شد معلوم	کز دل نرود ہر آنچہ از دیدہ برفت

ہماری نگاہیں آپس میں جو کچھ داد و ستد کرتی ہیں گو فی الفور ان کا علم نہ ہو مگر تھوڑی ہی دیر اور وقفہ کے بعد ہمارا قیاس ہمارا ادراک ہمیں جتا دیتا ہے کہ یہ تبادلہ باعتبار سودمندی یا ناسودمندی کے اس درجہ تک ہے۔

ہماری آنکھیں صرف ذی رُوح اجساد سے ہی داد وستد نہیں کرتیں بلکہ غیر ذی رُوح اجسام اور کیفیات سے بھی یہ عمل جاری ہے۔ ہم ایک عجیب پتھر کو دیکھتے ہیں ایک خوشنما جانور ہماری نظروں سے گذرتا ہے ایک دلچسپ پودا دِکھائی دیتا ہے ان مشاہدات سے ہمارے دل پر ایک اثر ہوتا اور جدید معلومات کے نمبر میں ایزادی ہوتی ہے گو دوسری جانب کو ہمارا علم کامل ادراک اور تیز شعور کے ساتھ نہ ہو۔ اور ہماری نگاہیں اُنہیں جدّتِ معلومات کا کام نہ دیں مگر ہم ان سے بھی اس طریق پر مستفید ہوتے اور اس حیثیت سے سودمند یا ناسودمند تبادلہ کرتے

ہیں کہ جیسے ذی عقل یا ذی رُوح اجساد سے ہوتا تھا۔ پتھر ہمیں اپنی اندرونی صفتوں اور خدا داد خوبیوں سے آگاہ کرتا۔ اور ایک خوش آیند جانور اپنی رسیلی آوازوں سے جتاتا اور ایک سبز پودا اپنی سرسبزی اور خوشنمائی سے دکھاتا اور ایک بنسری کی دردناک آواز سوجھاتی اور سمجھاتی ہے کہ قدرتی ہاتھوں نے ذی عقل اجساد کے سوائے نباتات اور جمادات میں بھی کیا کچھ ظاہری اور باطنی خوبیاں اور لطائف ودیعت کر رکھے ہیں اُن کی خوبی اور ان کی عمدگی ہمیں اُن سبقوں پر لے جاتی ہے کہ ہم جن سے اپنی معاشرت اپنی خوشی اپنے حظ اپنے معاد کے سودمند معانی اخذ کرتے اور سند کے طور پر سینہ بہ سینہ اُنہیں دلچسپ واقعات کو مختلف نسلوں تک پہنچاتے ہیں۔

یہ نہ سمجھو کہ انسان انسان سے ہی سبق لیتا ہے۔ نہیں نہیں آنکھیں بینا اور دماغ پختہ چاہیے ان جڑی بوٹیوں سے بھی صدہا مفید سبق مل سکتے ہیں۔

ایک خوش الحان پرند بولتا اور دور پہاڑ کی چوٹی یا کھلے میدان میں ایک نے یا ایک بنسری بجتی ہے۔ ان میں سے ایک بے عقل زندہ اور ایک محض مُردہ ہے پھر دیکھو دونوں کی دردناک آوازیں اور دلربا صدائیں سننے والوں کے دلوں پر کیا کچھ آفت لاتی ہیں انسان چلتے چلتے ٹھہر جاتے ہیں اور حیران ہوکر دیکھتے اور گوش توجہ سے سنتے ہیں۔ دِل لرزتا اور جگر میں ایک جنبش اور دماغ کے اندر ایک حرکت پیدا ہوتی ہے۔ گو سر نہ ہے۔ مگر بنسری کی خوش آئند آواز دلوں پر قبضہ کرتی جاتی ہے۔ سخت دلوں کا ذکر نہیں۔ جنہیں خدا نے درد دیا ہے وُہ کہہ سکتے ہیں کہ کیا نے کا جادو انسان کے جادو اور بنسری کے لب انسان کے لبوں سے زیادہ تر موثر ثابت نہیں ہوتے۔

یہ قصہ جانے دو کہ خوش الحان پرند کیا بولتا اور نے کیا کہتی ہے۔ یہ کہو کہ ان صداؤں

فنِ اخبار نویسی

(از مولوی ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی مقیم کلکتہ)

یورپ اور امریکہ نے جو آجکل حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اور علوم و فنون۔ تہذیب و شائستگی میں جو انکا آج طوطی بول رہا ہے اُن میں منجملہ اور اسباب ترقی کے ایک بڑا سبب اخبار دیکھنا ہو۔ جسے علی سے لیکر ادنی تک اور بچے سے لیکر بوڑھے تک روزانہ ہر ایک دیکھا کرتا ہے۔ اور علمی عملی فیوضات حاصل کرتا ہے۔ چونکہ کچھ عرصہ سے ہندوستان اور پنجاب میں بھی اخباروں کا چرچا ہو رہا ہے۔ اکثر اردو اخبار ترقی کر رہے ہیں۔ لوگوں کو ایک حد تک ان سے دلچسپی بھی ہو گئی ہے۔ اِس لئے ہم اس فن کی مختصر تاریخ اور اس کے اقسام وغیرہ بیان کرتے ہیں۔

اخبار کا موجد

اس بارے میں سخت اختلاف ہے کہ اخبار کا موجد کون ہے۔ چین والے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کے ایجاد کرنے والے ہم ہیں۔ روما والے مدعی ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام کے کئی سال پیشتر ہم نے جاری کیا تھا۔ لیکن یہ تمام باتیں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ کیونکہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ فی الواقع اہل چین یا اہل روما اسکی مُوجد ہیں۔ اور سیکڑوں برس پہلے یہ شائع کر چکے ہیں تو بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا ہم جس اخبار کا بیان کر رہے ہیں۔ اور اخبار سے جو مفہوم بالفعل سمجھا جاتا ہے اُس میں اور اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وَالشتّان بینھما

اخبار جب ہی اخبار ہو سکتا ہے۔ جبکہ اُس کے متعدد نسخے اشاعت کی غرض سے موجود ہوں۔ اور ساتھ ہی مختلف مقامات میں بھیجنے کے آسان وسائل بھی میسر

ہوں - اور یقیناً اُس زمانے میں یہ تمام باتیں مفقود تھیں - نہ تو مطبع تھا کہ دس چھوٹ ہزار نسخہ بہم ہو جائیں - اور نہ یہ انتظام ریل تھا - کہ جہاں چاہیں مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک چیزیں بھیجدیں - اس لئے اُس زمانے کے اخبار پر اخبار کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا - پس اخبار جب ہی سے اخبار ہو سکتا ہے - جب سے کہ چھاپہ ایجاد ہوا ہے - اس اعتبار سے اس چیز کی ایجاد کا سہرا اہلِ جرمن کے سر باندھنا چاہیئے - جنہوں نے پندرہویں صدی عیسوی میں پہلا اخبار دُنیا میں شائع کیا - اور ہمارے نزدیک پہلے پہل یہی اخبار شائع ہوا ہے - وَالعِلمُ عِندَ اللّٰہِ -

انگلستان

انگلستان میں پہلے پہلے اخبار ۱۶۲۲ء کو جاری ہوا - یہ وہی اخبار ہے جو آجکل ٹائمز کے نام سے شائع ہوتا ہے - پہلے اس کا نام ویکلی نیوز تھا - پھر ۱۷۸۵ء میں ڈیلی یونیورسل کے نام سے شائع ہوتا رہا - اب ۱۷۸۵ء سے ٹائمز کا نام اختیار کر چکا ہے - اس کے بعد ٹیٹلر وغیرہ اسٹیل اور اڈیسن نے شائع کئے - اور پھر گویا یہ رستہ سبھوں کو معلوم ہو گیا - لیکن اصل اس کی داغ بیل انگلستان میں ویکلی نیوز نے ہی ڈالی ہے

فرانس

فرانس میں پہلا اخبار ۱۶۳۱ء میں شائع ہوا - جسکا نام گزٹ دی فرانس تھا - اس میں زیادہ تر ملکی معاملات پر بحث ہوا کرتی تھی - اس کے بعد اور بھی بہت سے اخبار شائع ہوئے - لیکن ابتدا میں فرانس سے ۱۶۳۱ء ہی کو اخبار نکلا تھا -

رُوس

رُوس میں پہلا اخبار ۱۷۰۳ء میں شائع ہوا -

امریکہ

یہ کون نہیں جانتا کہ جو ترقی امریکہ نے اخبارات میں کی ہے وہ یورپ کو بھی نصیب

نہیں ہوئی - بڑی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اخبار یہاں پہلے پہل ۱۷۰۴ء کو شائع ہوا - اس کا نام بوسٹن نیوز لیٹر تھا - اور اس کا دفتر شمالی امریکہ میں تھا - اس سے قبل اخبار کو اہل امریکہ جانتے بھی نہ تھے کہ اخبار کیا چیز ہے - آج جو ترقی امریکہ کو نصیب ہوئی ہے وہ بہت کچھ اخبار ہی کی بدولت ہے -

اخبار کی قسمیں

یورپ میں جہاں اس مفید اخبار نویسی نے اعلیٰ درجہ کی ترقی کی ہے - اخبار کی بہت سی قسمیں ہو گئی ہیں - اور ہر ایک قسم کے اخبار ایک نہیں سیکڑوں شائع ہوتے ہیں - مگر اس کے مفید اقسام اور اعلیٰ مضامین یہ ہیں :-

اقسام	مضامین
گزٹ - میگزین - ریویو - جرنل وغیرہ	مذہبی - تعلیمی - تجارتی - قومی ٹیکنیکل وغیرہ

اخبار کی تعریف

چونکہ اخبار کے بانی اور موجد اہل یورپ ہیں - اس لئے اُن کی تعریف ہمارے نزدیک معتبر ہے -

اخبار جمع ہے خبر کی - خبر کو انگریزی میں نیوز کہتے ہیں - نیوز میں چار حرف ہیں -

N (اِن) E (ای) W (ڈبلیو) S (اِس)

یہ چار حرف لفظ - ان چار لفظوں کا اشارہ کرتے ہیں -

(۱) N (اشارہ ہے) NORTH کا جسکے معنے ہیں شمال

(۲) E (اشارہ ہے) EAST کا جسکے معنے ہیں مشرق

(۳) W (اشارہ ہے) WEST کا جسکے معنے ہیں مغرب

(۴) S (اشارہ ہے) SOUTH کا جسکے معنے ہیں جنوب

اب دیکھو کہ اس چھوٹے سے جملہ میں کتنی بڑی وسعت ہے کہ جہات اربعہ کو لئے ہوئے

ہے۔ پس اخبار کی تعریف یہ ہوئی کہ وُہ مجموعہ اک وقت معین پر شائع ہونے والا جس میں مغرب مشرق جنوب شمال کی تمام خبریں اور ان جہاتِ اربعہ کے متعلق مفید باتیں درج ہوں"۔

اخبار کے فوائد

ناظرین! کیا اخبار کے سوا دُنیا میں کوئی بڑی سے بڑی ایسی دُوربین ہے۔ جس سے آپ تمام دُنیا کو اپنا منظر بنا سکیں؟ اور کیا اخبار کے سوا کوئی اُونچے سے اُونچا بلند مقام یا کوئی پہاڑ ہے۔ جس پر بیٹھ کر آپ تمام دُنیا کا نظارہ کر سکیں؟ نہیں! ہرگز نہیں! نہ دنیا میں کوئی ایسی دُوربین ہے۔ نہ کوئی ایسا بلند مقام ہے۔ یہ صرف اخبار ہی اک ایسی چیز ہے جسکے مُلاحظے سے آپ تمام دُنیا کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں اور جسکے حاصل کرنے سے آپ تمام دُنیا کے نظارے کو حاصل کر سکتے ہیں۔

پچھلے زمانے میں واقفیت اور معلومات حاصل کرنے کا۔ عجائباتِ عالم دیکھنے کا سوائے سفر کے دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مگر اُس میں سوا صرفِ کثیر کے کہ جس کی وجہ سے غریب اور مفلس شخص اُس سے مستفیض نہیں ہو سکتا۔ محنت اور تکلیف و پریشانی بہت تھی۔ اور بعض اوقات خود جان کا خطرہ تھا۔ علاوہ بریں اگر ایک شخص اپنے تمام متعلقین کی جُدائی اور پریشانیوں کا متحمل بھی ہوتا۔ اور تمام عمر سیاحی بھی اختیار کرتا۔ جب بھی تو تمام دنیا کی سیر نہیں کر سکتا تھا لیکن یہ اخبار اِک ایسی چیز ہے کہ گھر بیٹھے بلا محنت و مشقت تمام دُنیا کی سیر کرلے اور معلومات اور عجائباتِ عالم کی سیر سے طبیعت کو محظوظ کرلے۔

یورپ میں اخبار سلطنت کا ایک جزوِ اعظم سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ رعیت کے خیالات کی باگ فی الواقع اخبار کے ہاتھ میں ہے۔ پرنس بسمارک کی کیفیت یہ تھی کہ جب کسی معاملات ملکی میں اسکو کوئی خاص طرز اختیار کرنی ہوتی تھی۔ تو اُس کے قبل ہی وہ اخباروں میں تائیدی مضامین شائع کرا دیتا تھا۔ جسکا نتیجہ یہ تھا کہ تمام ملک اس کا ہمزبان

ہو کر اُسی کا کلمہ پڑھنے لگتا تھا۔

یورپ کے اخباروں کو آج وُہ طاقت حاصل ہے کہ جو چاہیں سو کریں۔ ایک سے ایک کی جنگ کروا دیں یا کسی جنگ میں صلح کرا دیں۔ یا ایک کا ملک چھنوا کر دُوسرے کو دلوا دیں۔ کسی عہدہ دار کو معزول کرانا اور کسی ادنیٰ شخص کو اعلیٰ عہدہ دار بنانا ان اخبارات کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

اخبار کی خاص صفتیں

اخبار گورنمنٹ کے حقوق اور منشا کی حفاظت کرتا اور رعایا کے حقوق گورنمنٹ سے طلب کرتا ہے۔

اخبار علمی مذاق ہر طور سے پھیلاتا ہے۔ اور قابل توجہ باتوں پر توجہ دلاتا ہے۔

اخبار غیر ملکوں کی اچھّی باتوں کو ہم تک پہنچاتا ہے اور ہماری باتوں کی اُن تک اشاعت کرتا ہے۔

اخبار۔ ہر ایک ملک کے حالات رسم و رواج۔ آب و ہوا۔ طرزِ معاشرت۔ طرزِ حکومت مذاہب۔ عادات۔ اخلاق۔ قوانین سلطنت۔ جھگڑے۔ فساد۔ جنگ و جدل کو اخباری حیثیت سے لکھتا ہے۔ اور اُنپر بحث کرتا ہے۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی۔ اچھّے کو بُرے سے جُدا کرتا ہے۔

اخبار ناظر کی تحقیقات کو بڑھاتا ہے اور اُس کے علم کو جلا دیتا ہے۔

اخبار غلط خیالوں کی تردید کرتا ہے۔ اور سچّے خیالات کی تائید کرتا ہے۔

اخبار انسان کی تعریف اور فضیلتِ انسانیت بیان کر کے رؤسا اور امرا کو انسانیت کی جانب بُلاتا ہے۔ اور اُنکو علوم و صنائع حرفت کی تعلیم عام کرنے اور مریضوں کی دوا اور علاج کے لئے مدرسے اور نئے شفا خانے قائم اور جاری کرنے کی ترغیب دیتا ہے

اخبار فوائد عدالت بیان کر کے حاکم کو اس کی جانب توجہ دلاتا ہے۔ اور گویا

تمام رعیت کی وکالت کرتا - انکی فریاد اور شکائتوں کو گوشِ حکومت تک پہنچاتا ہے۔

اخبار حکام اور عمال اور مامورین رشوت خوار اور ظالموں کے ظلم و جبر کے دفع کرنے میں کوشش کرتا اور منتظمین اعلےٰ کو اس کی اطلاع دیکر اس کا کافی انسداد کرتا ہے۔

اخبار ہر ایک عالم عاقل کی امانت افکار اور ودیعت خیالات کو ہر ایک عالم عاقل کی نگاہوں اور کانوں تک پہنچاتا اور علما عقلا کو ایک دوسرے سے آگاہ کرنا اور مبادلہ خیال کا موقع دیتا ہے۔

اخبار اپنی قوم کے اجزائے پراگندہ اور اعضائے متفرقہ کو ایک جا کر کے حیاتِ تازہ بخشتا ہے اور از سرِ نو زندہ کرتا ہے۔

اخبار اپنے ناظرین کو بیٹھے بٹھائے تمام عالم کی سیر و سیاحت سے تجربہ کار بناتا اور خوشدل اور محظوظ و مسرور کرتا ہے۔

اخبار دوستدارانِ اُمت اور محبانِ قوم کو دشمنوں اور عدوّں سے جدا کرتا ہے اور لباسِ کذب اور برقعہ فریب کو چاک چاک کر دیتا ہے۔

اخبار شر اور بدبختی کی گھاٹیوں اور کمیں گاہوں سے بچانے کی غرض سے خیر دیکر خیر اور سعادت نیک بختی اور بصیرت کی شاہراہوں کا راستہ بتاتا ہے۔ تاکہ قوم بُری راہ نہ چلے اور صراط المستقیم سے منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔

اخبار جس چیز میں ملک کا فائدہ دیکھتا ہے۔ فوراً اُسے محبانہ الفاظ میں قوم پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اور نکتہ چینی اور اعتراض کی راہ سے ہمیشہ بچتا رہتا ہے۔

اخبار ایسے ضروری امورات اور معارف کا جسکا جاننا ہر فرد بشر پر ضرور ہے۔ عام فہم عبارت میں جس سے عوام الناس کو بھی انتباہ ہو ذکر کرتا ہے۔

اخبار پست ہمتوں کے برانگیختہ کرنے اور مردہ دلوں کو زندگی بخشنے کے لئے ملکی دلچسپ ترقیات اور حالات کو اور صالحین کے کارناموں کو نہایت شیریں اور موثر

الفاظ میں بیان کرتا ہے اور اُنکے عُمدہ خصائل کو بیان کرکے قوم کو اُن کی تقلید پر آمادہ کرتا ہے۔ کہ تذکرۃ الاسلاف تبصرۃ الاخلاف ہے۔

اخبار ہمیشہ اخلاق جمیلہ اور خصائل پسندیدہ کے اوصاف اور عادات رذیلہ کے نقصانات بیان کرکے قوم کو اچھی باتوں پر مائل اور بُری باتوں سے متنفر کرتا ہے۔ اخبار سے ذہن اور عقل میں ترقی ہوتی ہے اور علمی مذاق بڑھتا ہے۔

الغرض اخبار کے فوائد بے شمار ہیں۔ جنکے بیان سے اتنا کہدینا بہتر ہے کہ جو شخص دُنیا میں اپنے بُرے بھلے کی تمیز کرنا چاہے اور دنیا میں رہ کر دُنیا کی عمدہ باتوں کو حاصل کرنا اور بُری باتوں کو چھوڑنا چاہے۔ حقائق و معارف اور مختلف علمی عملی معلومات کا شوق رکھتا ہو۔ اور دنیا میں مہذّب اور شائستہ عاقل و فرزانہ ہوکر رہنا چاہے۔ اور گھر بیٹھے بلا صرف و خرچ ایک اُستاد شفیق تلاش کرنا ہو تو وُہ اخبار بینی اختیار کرے۔

اخبار آپ کو بتلاتا ہے کہ دیکھو! فلاں ملک میں فلاں شخص نے یوں ادنےٰ حالت سے اعلےٰ درجہ تک ترقی کی اور عزت و وقعت یوں حاصل کی۔ وُہ ایک معمولی مفلس شخص تھا۔ مگر تھوڑے دنوں میں دولتمند ہو گیا۔ وُہ ایک جاہل آدمی تھا مگر کچھ عرصے میں عالم ہو گیا۔ یہ کیوں؟ اِس لئے کہ اُس نے تعصب اور نفسانیت کو بالائے طاق رکھکر بے تعصبی اور سلامت روی کا سبق یاد کر لیا تھا۔ اگر تم بھی ویسے ہی ترقی کے زینے طے کرکے اعلےٰ معیار پر پہنچنا چاہتے ہو تو اُسی شخص کے قدم بہ قدم چلو تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگے۔

اخبار ایک قومی ہادی ہے

اخبار در اصل ایک زندہ ہادی ہے۔ جو ہر قسم کی باتوں میں ہدایت کرتا ہے۔ بُری باتوں سے تنفر دلاتا ہے۔ اور عمدہ باتوں کی جانب مائل کرتا ہے۔ کیونکہ انسان کی

طبیعت میں اک ایسی زبردست قوت گمراہ کنندہ موجود ہے۔ جسکا کام انسان کو چاہ ضلالت میں ڈالنا ہے۔ اُس کی اعلیٰ کوششوں سے انسان سیدھے سعادت اور نیکبختی کے راستے کو چھوڑکر شقاوت کی تنگ و تاریک اور خوفناک دپیچدار گھاٹیوں میں آنکھ بند کیے پڑ جاتا ہے۔ اور اس بدبختی کے مقام پر خوش قسمتی کے راستے کو تلاش کرتا ہی اور جب تک کہ کوئی خضر صفت رہبر ہاتھ پکڑ کے منزلِ مقصود تک نہ پہنچائے وہ یونہی پریشان و سرگردان رہتا ہے۔

اس لئے ہر قوم اور فرد کو ایک رہبر اور ہادی کی سخت ضرورت ہے۔ اور بے اس کے کوئی کبھی صراط المستقیم پر نہیں چل سکتا۔

پس حالتِ موجودہ کے اعتبار سے اخبار سے بڑھ کر قوم کا کوئی ہادی اور رہبر نہیں ہے جو اُسے سیدھی راہ چلانے میں مددگار اور ترقی کا بدل و جان خواستگار ہو۔

اخبار کے متعلق نامور لوگوں کی رائے

ایک بڑے مدبر کی رائے اخبار بینی کے متعلق یہ ہے کہ کتب بینی سے اخبار بینی زیادہ سودمند ہے۔ اور اس کا نفع اس سے کہیں بدرجہا زیادہ ہے۔ کیونکہ ہر ایک کتاب ضرور کسی خاص بحث اور مضمون پر ہوا کرتی ہے۔ اور برخلاف اس کے اخبار میں چھوٹے چھوٹے مضامین مختلف بحثوں پر ہوا کرتے ہیں۔ اور بجائے ایک بات کے اُن میں متعدد سودمند باتیں ہوتی ہیں۔ جس چیز سے ہماری طبیعت کو مناسبت ہو ہم اُس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

علامہ سید جلال الدین افغانی المصری اخبار کے فوائد میں یہ لطیف شعر پڑھتے ہیں

لاسعادت لامۃ لیس لہا سائق الی الفضائل ولازاجر عن الرذائل	یعنے جس قوم میں اچھی باتوں کی جانب ہدایت کرنے والا اور بُری باتوں سے منع کرنے والا (اخبار) نہو اُسے نیک بختی اور سعادت نہیں مل سکتی۔

یہ شعر اُس حکیمِ وقت کا ہے کہ جس کی علمی لیاقت آج تمام اخباری دُنیا میں مسلّم ہے۔ اِس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ موجودہ کے اعتبار سے اخبار سعادت کا باعث ہے۔ سعادت سے محروم ہے وُہ قوم جو اخبار بینی سے ناواقف ہے۔ نیک بختی سے دُور ہے وُہ قوم جو اخبار سے مستفیض نہیں ہے۔ یُورپ کو دیکھو آج دُنیاوی سعادت میں کوئی قوم اُس کے لگ بھگ نہیں ہے۔ تمام دُنیا میں مسلّم ہو چلا ہے کہ جو شخص یا قوم دُنیاوی سعادت کی خواہاں ہو یُورپ کی تقلید کرے۔ یہ کیوں؟ بس اِسی لئے کہ اخبار بینی وہاں طبیعت ثانی ہو گئی ہے۔ جوانوں۔ بوڑھوں۔ بچّوں۔ عورتوں۔ مردوں۔ معماروں۔ کتب فروشوں۔ مزدوروں۔ عطّاروں۔ ڈاکٹروں۔ پادریوں۔ شاعروں۔ نجومیوں۔ تاجروں۔ مصوّروں۔ زمینداروں۔ کسانوں۔ انجنیروں۔ نوکروں۔ وغیرہ وغیرہ ہر ایک فرقہ ہر ایک عہدہ ہر ایک فن۔ ہر ایک علم ہر ایک قسم کے لوگوں کے لئے علیحدہ علیحدہ اخبار شائع ہوتے ہیں۔ اور وُہ اُسے روزانہ دیکھ کر اپنی ضروری حاجتوں کو رفع کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ہیملن ڈی ڈی اپنی ایک تصنیف میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ میں جس وقت ڈیوینٹی کالج میں تحصیلِ علم میں سرگرم تھا۔ مجھے مضامین نویسی کا بہت شوق چڑھا تو مجھے اخباروں کے مطالعہ سے بہت کچھ فائدہ ہوا۔ اور بہت سی باتوں کو مَیں نے اُس سے سیکھا۔ جو علمی اور عقلی مضمون اخباروں میں ہوا کرتا تھا۔ اُسے میں اوّل غور اور فکر کے ساتھ پڑھتا۔ اور رائے زنی کیا کرتا تھا۔ اور پھر اُس کو اور طالبعلموں کے آگے پیش کیا کرتا اور بحث کیا کرتا تھا۔ اِس طرح سے ایک علمی مذاق میری طبیعت میں پیدا ہو گیا۔ اور اُس نے ایسا اضطراب پیدا کر دیا کہ مَیں اِس فنِ اخبار نویسی کو اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اور پھر تو ایسے ایسے لاجواب مدلّل علمی آرٹیکل اور مضامین لکھنے لگا۔ جن کی قوم نے داد دی۔ یہ اخبار بینی ایسی عُمدہ چیز ہے کہ اس سے زیادہ کوئی

دلچسپ مشغلہ نہیں ہے - مسٹر گلیڈ سٹون سابق وزیر اعظم انگلستان اخبار کے متعلق لکھتا ہے کہ "پبلک اخبار کی کیوں شائق ہوتی ہے یہ تمہارے ہی فائدے کی بات ہے - اس کا وجود تمہارے لئے غنیمت ہو - یہ ایک زبردست ہاتھ ہے - جس سے تمام دینی اور دنیوی باتوں کی تکمیل ہوتی ہو - اور اس کا فیض چاروں طرف پھیلتا ہے - اس سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں - اس سے بڑے بڑے فائدے انسان کو ہوتے ہیں" پرنس بسمارک کے حالات میں ڈاکٹر بشن اُن کے معتمد خاص لکھتے ہیں - کہ پرنس بسمارک فنِ اخبار نویسی میں بڑا مشتاق تھا اور اُس کے رموز و نکات سے ایسا ماہر تھا جیسے کوئی بڑا نامور مشتاق لائق و فائق اور تجربہ کار ایڈیٹر ہو - مجھے چونکہ اِس کام پر اُس نے مامور کیا تھا - اِس لئے وُہ دن میں کئی بار بُلا کر اخبار کے متعلق باتیں کیا کرتا تھا - اخبار کا وُہ ایسا عاشق تھا - کہ رات دن اِسی دُھن میں رہتا تھا - رات کو آدھی آدھی رات ہنگام چونک کر مجھے طلب کرتا تھا اور جو مضمون اس کے ذہن میں اسوقت سماتا تھا لکھ کر حکم کرتا تھا کہ اِسے فوراً صبح کو فلاں فلاں اخبار میں شائع کرا دیا جائے - غرضکہ اخبار سے اُسے بڑی دلچسپی تھی اور اسکو سب سے عمدہ مشغلہ سمجھتا تھا - پیٹر اعظم شاہ روس کی لائف میں لکھا ہے - کہ وُہ نہایت دلچسپی سے اخباروں میں ایڈیٹوریل مضامین لکھا کرتا تھا - اور اخبار کو رعایا کے خیالات کا آئینہ سمجھتا تھا - اور اخبار سے اسکو اتنا شغف تھا کہ بذاتِ خود اُس کے پروف کی صحت کیا کرتا تھا - اور وُہ تمام پروف اس کی مشہور لائبریری میں موجود ہیں - فرانس کے مشہور مدبّر نپولین کے حالات میں مؤرخ لکھتا ہے کہ نپولین کا قاعدہ تھا کہ جب وُہ کوئی بڑا کام کرنا چاہتا تھا تو پہلے اخباروں میں اُس کے متعلق موافق اور تائیدی مضامین شائع کراتا تھا - اور اِس طور سے عام رائوں کو اپنے موافق کر لیتا تھا - ہندوستان میں جتنے نامور جنرل اور گورنر آئے ہیں - جب وُہ پنشن لیکر ولایت کو واپس جاتے ہیں - تو وہاں بھی اخبار نویسی کے پُر لطف مشغلہ میں باقی زندگی بسر کرتے

ہیں۔ سر ولیم میور سے ہندوستان کا کون تعلیم یافتہ ایسا ہے جو واقف نہیں۔ یہ علاوہ اس کے کہ ہندوستان کے عرصہ تک گورنر رہ چکے ہیں۔ بہت بڑے مصنّف بھی ہیں۔ اِن کی تصانیف میں لائف اف محمدؐ ایک ممتاز کتاب ہے۔ جسمیں آنحضرت پیغمبر برحق رُوحی فداہ کی لائف لکھ کر اُس پر ایک نئی طرز سے نکتہ چینی کی گئی ہے۔ اور جو اُس طریقِ اعتراض سے مختلف ہے جو عام مشنری اور پادری کیا کرتے ہیں۔ جس سے میور صاحب کی ایک ممتاز صفت معلوم ہوتی ہے۔ یہ فاضل شخص بھی اخبار کے نامہ نگار ہیں۔ اور ان کے اکثر مضامین اخباروں میں شائع ہوتے ہیں۔ مسٹر الفرڈ لائل۔ سر لیپل گریفن۔ سر رچرڈ ٹیمپل۔ سر رچرڈ گارتھ وغیرہ تمام مضامین نگار ہیں۔ سر ولیم ہنٹر سابق ممبر کونسل گورنمنٹ ہند۔ اخبار ٹائمز کے ایڈیٹر ہوئے اور ان کے پُر زور آرٹیکل نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فنِ اخبار نویسی کیسا لاجواب اور دلچسپ فن ہے کہ ایسے ایسے افاضل اُسکو اختیار کرتے ہیں۔

مخزن اور نئی دُنیا۔ ناظرینِ مخزن یہ سُنکر غالباً خوش ہونگے۔ کہ نئی دُنیا میں بھی اسے نگاہِ پسندیدگی سے دیکھا گیا ہو۔ ماہ جنوری کے پرچے میں کینیڈا (علاقہ برطانیہ در امریکہ) کی ایک خاتون کی دلچسپ چِٹھی کا ترجمہ شائع ہوا تھا۔ جس ہندوستانی خاتون کے نام وُہ خط تھا۔ اُس نے وُہ پرچہ امریکہ بھیجدیا۔ اور وہاں کے لوگوں میں اس کا بہت چرچا ہوا۔ مانٹریل میں جہاں وُہ خاتون رہتی ہو۔ ایک اخبار چھپتا ہو جسکا نام ہو ”ڈیلی وٹنس“ اس میں اُس پرچے کے پہلے صفحہ کا ایک نہایت خوبصورت عکس چھپا ہو۔ جس کے ساتھ ایڈیٹر اخبار نے مہربانی آمیز الفاظ میں مناسب تمہید لکھی ہے۔ اِس سے ہمیں اندازہ کرنے کا موقعہ ملتا ہو۔ کہ وہاں مذاقِ علمی کس پایہ کا ہے۔ اور صاحبانِ اخبار ناظرین کی قدردانی کی بدولت دلچسپی کے کیسے کیسے سامان بہم پہنچا سکتے ہیں۔

انقلابِ فرانس

یورپ کی تاریخ میں ایک نہایت مشہور واقع گذرا ہو جسے "فرینچ روولیوشن" یعنے سلطنت فرانس کا انقلاب کہتے ہیں۔ انگلستان کے نامور فسانہ نگار چارلس ڈکنز نے اُس انقلاب عظیم کو نہایت خُوبی سے دکھایا ہے اس انقلاب کی وجہ سے سلطنت بادشاہوں کے ہاتھ سے نکلکر جمہوری طریق پر قائم ہوگئی۔ اس انقلاب عظیم کا ایک بڑا باعث عمائد فرانسہ کی بدچلنی و تعدی اور غربا کے ننگ و ناموس کی بے حُرمتی بھی تھا۔ ڈکنز کے چند صفحوں کا (جن میں اس باعث کا ذکر ہے) ترجمہ ہمارے دوست میر فیض الحسن صاحب بی۔ اے۔ مترجم دفتر لاٹ صاحب بہادر ارسال فرماتے ہیں۔ جو ذیل میں درج ہے:۔

"میں مسمّی الگزنڈر مینٹ ساکن پیرس سنہ ۱۸۹۷ء کے اخیر مہینہ میں یہ غم اندوز اور جانکاہ تحریر اپنے کلبۂ احزان واقع زندان خانہ بسٹیل میں بیٹھا لکھ رہا ہُوں۔ مجھ کو اس تحریر کے لکھنے کا کبھی کبھی اور وُہ بھی چوری سے موقع ملتا ہے اور اس کام میں مجھے بہت سی تکلیفوں کو جھیلنا پڑتا ہے۔ میرا ارادہ ہو کہ جب یہ تحریر ختم ہوجائے تو اسے انگیٹھی کی دیوار کے سوراخ میں چھپا دوں۔ یہ سُوراخ مَیں نے بڑی محنت اور مصیبت سے کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تحریر کسی رحمدل شخص کے ہاتھ لگ جائے۔ جبکہ مَیں اور میرا غم خاک میں مِل چکا ہوگا۔ یہ الفاظ میں اپنی قید کے دسویں سال انگیٹھی کے دُھوئیں کو کھُرچ کر اور اس میں اپنا خون لت کر کے ایک زنگ آلُود آہنی قلم سے لکھ رہا ہُوں۔ اُمید کی ٹہنی اب بالکل خشک ہوگئی ہو۔ مجھ کو بعض خوفناک علامتوں سے جو اپنے آپ میں پاتا ہُوں معلوم ہُوا ہے کہ اب زیادہ عرصہ تک میرے قوائے دماغی صحیح نہیں رہ سکتے۔ لیکن مَیں باقرار صالح کہتا ہُوں کہ اسوقت میرے حواس بالکل ٹھیک ہیں۔ میرا حافظہ درست اور صحیح ہے اور جو کچھ مَیں لکھتا ہوں یہ سب سچ ہے۔ مَیں اپنی تحریر کی خواہ یہ کسی انسان کی نظر سے گذرے یا نہ گذرے مالک السّر

دالخفایا کی درگاہ میں جوابدہی کرنے کو تیار ہُوں۔

ایک چاندنی رات کو جبکہ کچھ بادل بھی اُڑ رہے تھے۔ مَیں دریائے سین کے گھاٹ پر کسیقدر شارع عام سے دُور ٹہل رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا کھا رہا تھا۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو یہ واقع مورخہ ۲۲۔ دسمبر ۱۸۷۵ء کا ہے۔ یہ مقام میرے مکان سے جو مدرسہ طبیہ کی گلی میں ہے ایک گھنٹہ کی مسافت پر تھا۔ مجھ کو اپنی پشت کی طرف سے ایک گاڑی کی گھن گھن کی آواز آئی اور میں چاہتا تھا کہ راستہ سے بچکر کھڑا ہو جاؤں کہ کہیں گاڑی کے نیچے نہ آجاؤں۔ اتنے میں کسی نے گاڑی میں سے ہاتھ باہر نکالا اور گاڑی بان کو آواز دی کہ ٹھہر جا۔ کوچبان نے گھوڑے کی راسوں کو زور سے کھینچ کر گاڑی تھما دی اور جس شخص نے گاڑی رکوائی تھی۔ اُس نے میرا نام لیکر پکارا۔ میں نے جواب دیا۔ گاڑی اس قدر مجھ سے آگے نکل گئی تھی کہ جب تک میں گاڑی کے پاس پہنچوں دو شریف آدمی گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر آئے۔ یہ دو نو صاحب چغہ اوڑھے ہُوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وُہ اپنا منہ نہیں دکھانا چاہتے۔ جب یہ دو نو صاحب پہلو بہ پہلو گاڑی کے دروازہ کے پاس کھڑے تھے تو مَیں نے غور کیا کہ وُہ میرے ہم سن بلکہ شاید مجھ سے بھی کچھ عمر میں چھوٹے تھے وُہ ایک دُوسرے سے قد۔ آواز۔ لب ولہجہ اور (جہانتک مَیں دیکھ سکتا تھا) چہرہ میں مشابہ تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کیا آپ ڈاکٹر مینٹ ہیں؟

مَیں نے جواب دیا کہ جی ہاں۔

دُوسرے نے کہا "وُہی نوجوان ڈاکٹر مینٹ جو پہلے بمقام ٹورے جراحی میں مشہور ہوا تھا اور گذشتہ ایک دو سال سے پیرس میں بڑا نام پا رہا ہے"۔

مَیں نے جواب دیا کہ "جس ڈاکٹر مینٹ کا آپ نے اسقدر تعریف سے ذکر فرمایا وُہ یہی خاکسار ہے"۔

پہلے صاحب نے کہا ہم پہلے تمہارے مکان پر گئے تھے اور جب معلوم ہوا کہ تم اس طرف ہوا کھانے کو آئے ہوئے ہو تو ہم تمہاری تلاش میں ادھر آئے ۔ کیا آپ مہربانی فرما کر گاڑی میں آئینگے ۔ دونوں نوجوانوں کا طریق گفتگو حاکمانہ تھا اور مجھ کو گاڑی میں داخل ہونے کے لئے کہنے کے بعد اُنہوں نے مجھے بیچ میں لے لیا ۔ وُہ دونو مسلح تھے اور مَیں نہ تھا ۔

مَیں نے کہا "جناب آپ مجھے معاف کرینگے ۔ اگر مَیں یہ کہوں کہ جس صاحب کو میری مدد کی ضرورت ہوتی ہے میں عموماً اُن کا نام بھی دریافت کیا کرتا ہوں ۔ اور نیز یہ کہ کس قسم کی مرض کا مجھ سے معالجہ کرانا منظور ہے "

اس کا جواب اُس نوجوان نے دیا جو دُوسری دفعہ بولا تھا "ڈاکٹر صاحب آپ کے مخاطب ذی رُتبہ لوگوں میں سے ہیں ۔ اور ہمیں یقین ہے کہ مرض کی نوعیت کو آپ ہم سے بہتر تشخیص کر سکینگے ۔ بس اتنا ہی جواب آپ کی اطمینان کے لئے کافی ہے ۔ اور اب آپ گاڑی میں تشریف لے آئیں " مَیں نے بجز تعمیل کے اور کچھ چارہ نہ دیکھا اور چپ چاپ گاڑی میں جا بیٹھا ۔ وُہ دونوں بھی میرے بعد ایک ایک کر کے اندر آ بیٹھے ۔ دوسرا گاڑی کے پائدان کو اُٹھا کر جست مار کے اندر آیا ہی تھا کہ گاڑی پیچھے مڑی اور جس تیزی سے آئی تھی اُسی تیزی سے پھر روانہ ہُوئی ۔ بازاروں کو طے کر کے گانوں کی سڑک پر جا نکلی ۔ اور شاہراہ سے کٹ کر جانے لگی ۔ تھوڑی دیر میں ایک مکان کے آگے جا ٹھہری ۔ جس کے آس پاس اور کوئی مکان نہ تھا ۔ ہم تینوں اُتر کر باغ میں سے ہو کر مکان کے دروازہ پر پہنچے ۔ کنڈی کھٹکھٹانے کے بعد کچھ دیر میں دروازہ کھلا اور جس شخص نے دروازہ کھولا اُس کے مُنہہ پر میرے ساتھیوں میں سے ایک نے جھنجھلا کر اپنا سواری کا دستانہ کھینچ مارا ۔

یہ بات کوئی قابل تعجب نہ تھی اس لئے کہ مَیں نے غریب لوگوں کو کتوں سے

زیادہ پٹتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن ان دونوں نوجوانوں کی حرکات اسقدر آپس میں مشابہ تھیں کہ جب ایک نے دستانہ مارا تو دوسرے نے ہاتھ سے سزا دی اور میرے اس خیال کی تائید ہوئی کہ غالباً یہ دونوں توام بھائی ہیں۔ جسوقت سے ہم بیرونی دروازہ کا قفل کھول کر (جسکو ہمارے اندر داخل ہونے پر پھر لگا دیا گیا تھا) مکان میں داخل ہوئے اُسوقت سے برابر اُوپر کے کمرہ سے میرے کان میں ہائے ہائے کی آواز آ رہی تھی۔ جب ہم سیڑھیوں پر سے چڑھ کر اُوپر پہنچے تو یہ آواز اور بھی زور سے آنے لگی اور کمرہ میں پہنچکر میں نے ایک مریض کو سخت قسم کے سرسام میں مبتلا چارپائی پر لیٹے دیکھا۔ یہ مریض ایک خوبصورت اور نوجوان عورت تھی جس کی عمر غالباً ۲۰ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ اس کے بال منتشر تھے اور پیچ رہے تھے۔ اُس کے ہاتھوں کو اُس کے بدن کے ساتھ رومال اور پٹیوں سے باندھ رکھا تھا۔ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ تمام پٹیاں کسی مرد کے لباس کو پھاڑ کر بنائی گئی ہیں۔ ایک پٹی پر مجھے حرف اے اور عمائدِ فرانسہ کے خاندانی نشان کی علامات نظر آئیں۔ ان نشانات پر جاتے ہی میری نظر پڑ گئی تھی۔ اور مجھے وہاں پہنچے کوئی ایک منٹ بھی نہ گذرا تھا کہ مریضہ نے اُس کپڑے کو اپنے مُنہہ میں ٹھوس لیا اور اندیشہ تھا کہ کہیں اُس کا دم نہ گھٹ جائے۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر کپڑے کو اُس کے مُنہہ سے نکالا اور اُس کے ایک کونے میں مجھے کچھ گلکاری کا کام بنا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے مریضہ کو جو مُنہہ کے بل لیٹی تھی۔ چت لٹایا اور اپنا ہاتھ اُس کے سینہ پر رکھ کر اُس کے چہرہ کی طرف غور سے دیکھا۔ اُس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور اُن سے وحشت ٹپکتی تھی وہ ایک جگر خراش آواز میں ان لفظوں کو دوہرا رہی تھی۔ "میرا خاوند۔ میرا باپ اور میرا بھائی۔" اور پھر بارہ تک ایک دو گنتی اور خاموش ہو جاتی تھی۔ ذرا سی دیر ٹھہر کر

وُہ پھر یہی فقرہ دوہراتی اور بارہ تک گن کر ٹھہر جاتی۔ ایک ہی ترتیب اور ترکیب سے برابر وُہ اپنی بھیانک آواز سے "میرا خاوند۔ میرا باپ۔ میرا بھائی" چلّاتی رہی اور بارہ تک گنتی گن کر ذرا سی دیر کے لئے ٹھہر جاتی تھی۔

مَیں نے پُوچھا کہ یہ حال کتنی دیر سے ہے۔

بڑے بھائی نے جواب دیا (تمیز کے لئے مَیں ایک بھائی کو بڑا بھائی کہونگا اور دُوسرے کو چھوٹا۔ جو کسی قدر زیادہ تحکمانہ گفتگو کرتا تھا اُسکو آئندہ بڑا بھائی لکھا جائیگا) کہ گذشتہ شب تقریبًا اسی وقت سے یہ حال ہے۔

"کیا مریضہ کا باپ۔ بھائی اور خاوند ہے"؟

"ایک بھائی ہے"۔

"مَیں اس کے بھائی سے تو اس وقت مخاطب نہیں ہوں"؟

نہایت حقارت سے جواب ملا "نہیں"۔

کیا نمبر ۱۲ کی طرف مریضہ کے انتقال ذہنی کے لئے حال ہیں کوئی خاص وجہ ہوئی ہے۔

چھوٹے بھائی نے گھبرا کر جواب دیا۔ ہاں ۱۲ بجے کی طرف۔

مَیں نے کہا صاحبو! مجھ کو آپ اس طرح پر خالی ہاتھ لے آئے ہیں کہ اس وقت مَیں کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر مَیں اپنی ضروری چیزیں ہمراہ لیکر آتا تو یہ وقت بیکار نہ ضائع ہوتا۔

بڑے بھائی نے چھوٹے کی طرف دیکھا جس نے ہنس کر جواب دیا کہ ایک دوائی کا صندوقچہ یہاں بھی موجود ہے۔ اور یہ کہکر صندوقچہ میرے سامنے لاکر رکھدیا۔

مَیں نے چند بوتلوں کو کھول کر سُونگھا اور ڈاٹوں کو لب پر رکھ کر ذائقہ معلوم کیا۔ اگر سوائے مسکرات کے مجھے کوئی اَور چیز استعمال کرنی منظور ہوتی تو میں ان

ہیں سے کسی دوا کو بھی مریضہ کو نہ دیتا۔

چھوٹے بھائی نے پوچھا۔ کیا آپ کو کسی قسم کا شبہ ہے"

مَیں نے جواب دیا کہ جناب مَیں انہیں استعمال کرنے لگا ہوں۔ اور سوائے اس کے اور کچھ نہ کہا۔ مَیں نے بڑی مشکل سے ایک خوراک مریضہ کو کھلائی۔ چونکہ تھوڑی دیر کے بعد دوسری خوراک دینی تھی۔ مَیں پہلی خوراک کا اثر دیکھنے کے لئے مریضہ کے بستر کے برابر بیٹھ گیا۔ ایک سہمی ہوئی عورت خادمہ کا کام کر رہی تھی جواب ایک گوشہ میں ہو گئی۔ مکان سیلا ہوا اور بہت پرانا تھا معلوم ہوتا تھا کہ تھوڑے سے عرصہ سے عارضی طور پر اسکو آباد کیا گیا ہے۔ ایک طرف پرانے بھاری بھاری پردے لٹکے تھے کہ آواز باہر نہ نکل سکے۔ آواز برابر اُسی طرح جاری تھی۔ مَیں نے وُہ کپڑا جس سے ہاتھ بندھے تھے۔ ڈھیلا کر دیا تھا۔ لیکن کھولا نہیں تھا۔ صرف اتنا فرق ضرور ہُوا کہ مریضہ کے سینہ پر جو میرا ہاتھ رکھا تھا اُس کی وجہ سے کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لئے اُس کا کروٹیں بدلنا رُک جاتا تھا۔ لیکن آواز برابر اُسی طرح جاری تھی۔

چُونکہ سینہ پر ہاتھ رہنے دینے کی وجہ سے مریضہ کچھ دیر تک آرام سے لیٹی رہتی تھی۔ اِس لئے آدھ گھنٹہ تک میں اسی طرح ہاتھ دھرے بیٹھا رہا۔ اور دونوں بھائی میری طرف دیکھا کئے۔ آدھ گھنٹہ کے بعد بڑا بھائی بولا۔

"ایک اور مریض بھی ہے"۔

مَیں چونک اُٹھا اور بولا کیا کوئی سخت مریض ہے؟

اُس نے بے پروائی کے لہجہ میں جواب دیا "بہتر ہے کہ آپ خود دیکھ لیں" اور یہ کہہ کر پاس سے ایک شمع اُٹھا لی۔

دُوسرا مریض ایک پُشت کے کمرہ میں تھا۔ جہاں ہم ایک اور زینہ پر چڑھ کر

داخل ہُوئے۔ ۱۷ سال کی عُمر کا ایک خوبصُورت زمیندار لڑکا گھاس پر زمین پہ لیٹا تھا۔ ایک گدّا اُس کے سر کے نیچے لپیٹا ہوا رکھا تھا۔ وُہ چِت لیٹا تھا۔ دانت بھچی کر رکھے تھے۔ دائیں ہاتھ کی مُٹھی بند تھی اور سینہ پر رکھا تھا۔ اُس کی چمکدار آنکھیں اُوپر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ مجھے اُس کا زخم نظر نہ آیا اِس لئے مَیں ایک گھُٹنا ٹیک کر غور سے دیکھنے لگا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وُہ جاں بلب ہے اور اس کو کسی تیز دھار کی چیز سے زخم لگا ہے۔

مَیں نے کہا "میاں لڑکے میں ڈاکٹر ہُوں۔ مَیں تمہارا زخم دیکھنا چاہتا ہوں"

اُس نے جواب دیا۔ مَیں زخم نہیں دکھانا چاہتا۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو زخم پر اُس کا ہاتھ رکھا ہُوا تھا۔ مَیں نے بڑی نرمی سے اُس کا ہاتھ وہاں سے سرکایا۔ یہ ایک تلوار کا زخم تھا۔ جسکو لگے غالبًا ۲۰ یا ۲۴ گھنٹہ گذرے ہونگے اگر اُس کا علاج فورًا اُسی وقت ہوتا تو بھی جان بر ہونا ناممکن تھا۔ ظاہر تھا کہ عنقریب اس کا مُرغِ رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائیگا۔ بڑا بھائی اس جاں بلب لڑکے کیطرف اس بیدردی سے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی زخمی پرند یا خرگوش کو دیکھتا ہے۔ یہ زمیندار لڑکا گویا اُس کا ہم جنس ہی نہ تھا۔

مَیں نے پُوچھا "جناب! یہ زخم کس طرح لگا ہے"۔

"اس کُتّے۔ اس غلام نے میرے بھائی کو مجبور کیا کہ اس پر تلوار کھینچے اور اس کو میرے بھائی کی شمشیر سے زخمی ہونے کی عزت حاصل ہُوئی ہے جس کا یہ بوجہ ایک ادنے غلام ہونے کے ہرگز مستحق نہیں"۔ اِس جواب میں افسوس۔ یا غم یا رحم کا نشان تک نہ تھا۔ متکلّم کے زعم میں اس ادنیٰ جنس کے مخلوق کا اس طرح میں مرنا کسیقدر نامناسب سا تھا۔ مگر اس سے زیادہ اس کی موت کی کچھ پروا نہ تھی۔ اس کے نزدیک زیادہ بہتر ہوتا کہ یہ حقیر غلام اوروں کی طرح اپنی مرگِ طبعی سے

مرتا تاکہ انکو ناحق کی تشویش نہ کرنی پڑتی ۔

اِس تقریر کے اثنا میں لڑکے کی آنکھیں پہلے متکلّم کی طرف آہستہ آہستہ پھریں اور بعد ازاں میری طرف ۔

ڈاکٹر صاحب ! یہ امرا بڑے متکبّر لوگ ہیں لیکن بعض اوقات ہم ذلیل کتّوں میں بھی غیرت کا خون جوش میں آجاتا ہے ۔ یہ بادۂ نخوت کا سرشار فرقہ ہم لوگوں کو لُوٹتا ہے ہماری بے حُرمتی کرتا ہے ۔ ہمیں مارتا پیٹتا ہے اور جان تک لینے میں دریغ نہیں کرتا ۔ لیکن کبھی نہ کبھی ہمیں بھی غیرت دامنگیر ہوتی ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کیا آپ نے اس کا ملاحظہ کر لیا ہے "۔

یہاں بھی مریضہ کی چیخوں اور فریاد کی آواز آ رہی تھی ۔ گو فاصلہ کی وجہ سے کسی قدر دھیمی معلوم ہوتی ہے ۔ مَیں نے جواب دیا کہ " ہاں میں اُسے دیکھ کر آ رہا ہوں "۔

" ڈاکٹر صاحب وُہ میری بہن ہے ۔ یہ جفاکار اور عیّار امرا ہم لوگوں کی بہنوں کو مدّت سے بے حُرمت کرتے چلے آئے ہیں ۔ لیکن کبھی کبھی ہم میں نیک اور بہادر لڑکیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں ۔ میری بہن ایک اچھی لڑکیوں میں تھی ۔ میرے باپ نے اس کی ایک زمیندار سے شادی کر دی جو اس شخص کی جو سامنے کھڑا ہے رعیّت تھا ۔ یہ دوسرا شخص اس کا بھائی ہے ۔ اور اس مردود فرقۂ اُمرا میں سب سے بڑھ کر بد ذات ہے اور اسی شخص نے جو سامنے کھڑا ہے ہم سب کو لُوٹ کھسوٹ کر اور جابرانہ محصول لگا کر اسقدر مفلس اور بے بس کر دیا ہے کہ میرے باپ کا قول تھا کہ ہم لوگوں میں اولاد کا پیدا ہونا غضبِ الٰہی کی نشانی ہے ۔ اور یہی دُعا مانگنی چاہیئے کہ ہماری مستورات بانجھ ہو جائیں ۔ تاکہ اولاد کا پیدا ہونا بند ہو جائے ۔ اور ہماری قوم صفحۂ دُنیا سے ناپید ہو جائے ۔ بہرحال میری بہن کی شادی ہو گئی ۔ شادی کے وقت میرا بہنوئی بیمار تھا اور میری بہن نے اسی لیے شادی کی تھی کہ اپنے عاشق زار کا اپنے باپ کے گھر

میں لاکر علاج معالجہ کر سکے۔ اس کی شادی کو بہت عرصہ نہ گذرا تھا کہ اس شخص کے بھائی نے کہیں اس کو دیکھ لیا اور اس کے خاوند سے کہا کہ اپنی بیوی کو چند روز کے لئے اس کے حوالہ کر دے۔ اُمرا کے نزدیک ہم لوگوں کے تعلقاتِ زن و شوہر ایک بے معنے چیز ہیں۔ میرا بہنوئی تو شاید راضی بھی ہو جاتا۔ لیکن میری بہن ایک نیک لڑکی تھی۔ اور اس شخص کے بھائی سے اس کو اس قدر نفرت تھی۔ جس قدر مجھ کو ہے۔ اس پر ان لوگوں نے میرے بہنوئی کو مجبور کرنے کے لیے جو کچھ کیا اسکی بیان کی مجھ میں طاقت نہیں۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ جانتے ہیں کہ ان امیروں کو حق حاصل ہے کہ ہم پاجی کتوں کو گاڑی میں جوت کر ہانکیں۔ ان ظالموں نے میرے بہنوئی سے بھی گاڑی میں جوت کر گھوڑے کا کام لیا۔ ان جابروں کا یہ بھی دستور ہے کہ ہم سے رات بھر اپنے کھیتوں اور زمینوں میں پہرا لیتے ہیں اور مینڈکوں کو خاموش کرنا ہمارا کام مقرر ہوتا ہے تاکہ اُن کی نیند میں بھی خلل نہ آئے۔ رات بھر یہ میرے بہنوئی سے مینڈکوں کو چُپ کرواتے تھے اور دن بھر گاڑی میں جوتتے تھے۔ لیکن پھر بھی اس نے اُن کا کہنا نہ مانا۔ ایک دن وُہ روٹی کھانے گھر آیا اور اِدھر بارہ بجے اُدھر وہ بارہ سسکیاں لیکر اپنی بیوی کے زانو پر سر رکھے راہیِ ملکِ بقا ہو گیا اور ان ظالموں کے چنگل سے چھُوٹ گیا۔ اِس کے بعد اس شخص کا بھائی اس کی اجازت اور مدد سے میری بہن کو زبردستی گھر سے نکال لایا۔ میرے باپ کو جب خبر پہنچی تو وُہ سکتہ کی حالت میں رہگیا۔ اُس کا دل تو پاش پاش ہو گیا لیکن مُنہہ سے اُف نہ نکلی۔ میں اپنی چھوٹی بہن کو ایسی جگہ چھوڑ آیا جہاں ان ظالموں کا ہاتھ نہ پہنچ سکے اور خود اس مکان کا پتہ لگا کر گذشتہ شب تلوار لئے ایک چھت کی کھڑکی میں سے کُود کر یہاں داخل ہو گیا۔

"بہن نے میری آواز سُنی اور دوڑ کر میرے پاس آگئی۔ میں نے اُسے کہا کہ جب تک میں اس شخص کو نہ ماروں وُہ علیحدہ رہے۔ یہ شخص بھی پیچھے پیچھے آگیا اور پہلے میری طرف کچھ روپیہ پھینکے اور پھر مجھے ایک چابک ماری۔ لیکن اِس ناچیز کتے نے اس پر ایسا حملہ کیا کہ اُسے تلوار کھینچنی پڑی۔ اب خواہ وُہ اس تلوار کے جو مجھ ناچیز کے خون سے آلودہ ہوئی ہے کتنے ٹکڑے کرڈالے لیکن وُہ اس سے منکر نہیں ہوسکتا کہ یہ تلوار اُس نے اپنی جان بچانے کے لئے سُونتی تھی اور اپنی پُوری طاقت سے مجھ پر وار کیا تھا"۔

یہ کہکر وُہ لڑکا تھوڑی دیر خاموش ہوگیا اور پھر کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! مجھ کو ذرا اُٹھاکر بٹھاؤ۔ وُہ شخص کہاں گیا"؟

میں نے لڑکے کو اپنے سہارے سے اُٹھاکر بٹھایا اور یہ خیال کرکے کہ شاید اُسکی مُراد چھوٹے بھائی سے ہے جواب دیا کہ وُہ یہاں نہیں ہے۔

لڑکا۔ "یہ امیر جو اس قدر متکبر ہیں اِس وقت میرے سامنے آنے سے بھی خائف ہیں۔ وُہ شخص کہاں ہے جو ابھی یہاں تھا۔ میرا رُخ ذرا اُس کی طرف موڑ دیجئے"۔

میں نے لڑکے کی خواہش کے مطابق عمل کیا۔

لڑکا آنکھیں پھاڑکر اور دائیاں ہاتھ اُٹھاکر بولا۔ "اے مارکوئس اُس دن جب ان سب باتوں کا جواب دینا ہوگا۔ میں تجھ کو اور تیری بداعمال نسل کے ہر ایک شخص کو خُدا کے تختِ عدالت کے سامنے طلب کراؤنگا۔ میں اس خون کی صلیب کا نشان اس بات کے ثبوت میں تجھ پر لگاتا ہُوں کہ میں ضرور ایسا کرونگا۔ تیرے بھائی کو جو اس بداعمال قوم میں سب سے بدتر ہے اس ظلم کی جواب دہی کے لئے علیحدہ طلب کرونگا۔ یہ خون کی صلیب کا نشان میں اس پر بھی لگاتا ہُوں۔ اس ثبوت میں کہ ضرور ایسا ہوگا"۔

دو دفعہ اُس نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھا اور اپنی انگلی سے ہوا میں صلیب بنائی تھوڑی دیر تک وُہ انگلی کو اُٹھائے کھڑا رہا اور پھر اس کی انگلی نیچے کو گری۔ اور ساتھ ہی وُہ بھی زمین کی طرف گرا اور جب میں نے اُسے لٹایا تو وُہ مردہ تھا۔

تزک عبد الرحمانی - اخبار بین دُنیا میں امیر عبد الرحمن خاں مرحوم والی افغانستان کی تزک جس میں اُنہوں نے اپنے حالات خود قلمبند کئے تھے۔ اب ایک مشہور کتاب ہے۔ چوہدری سلطان محمد خاں صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ سابق میر منشی افغانستان نے فارسی مسودہ کو صاف کر کے انگریزی میں ترجمہ کیا اور انگلستان میں شایع کیا۔ اس انگریزی ترجمہ نے ہندوستان میں بھی بہت قبولیت حاصل کی۔ اور اسوقت تک اس کے متعدد ترجمے اُردو میں شایع ہو چکے ہیں۔ حال میں جناب منشی محمد حسن خانصاحب نے جو گورنمنٹ ہند کے دفتر محکمہ مِلٹری میں ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہیں اور جنہیں ترجمہ میں خاص مہارت حاصل ہے ایک ترجمہ شایع کیا ہے۔ جس کی جلدِ اوّل ہمارے سامنے ہے جس کے قریب تین سو صفحے ہیں۔ لکھائی چھپائی نہائت عمدہ اور صاف ہے اور کتاب کے شروع میں امیر صاحب مرحوم کی ایک پاکیزہ تصویر لگی ہوئی ہے جو کتاب کی زینت کا باعث ہے۔ ہر طرح سے کتاب ایسی ہے جیسی کہ منشی صاحب موصوف جیسے باذاق کہنہ مشق مؤلف اور مترجم سے توقع ہونی چاہئے۔ اس سے پہلے کئی اچھی کتابیں انکی ہمت سے ترجمہ ہو چکی ہیں۔ جن میں ایک تو تاجرہ قابلِ ذکر ہے۔ جو ایک مشہور ترکی ناول کے انگریزی ترجمہ سے لیا گیا ہے۔ اور دوسرے جناب سید امیر علی صاحب جج ہائیکورٹ کلکتہ کی مشہور تصنیف تاریخ اہل عرب کا ترجمہ ہے۔ پہلی جلد کی قیمت ہے اور دوسری کی بھی یہی قیمت ہوگی۔ جو صاحبان جلد اوّل کی خریداری منظور فرما کر دونوں جلدوں کی پیشگی قیمت بھیجدیں۔ اُن سے صرف ۲ لئے جائینگے۔ درخواستیں بنام صاحب مترجم بہ مقام شملہ جانی چاہئیں۔

متروک الفاظ

(۲)

اُردو زبان میں آجتک مبصرینِ سخن جمع کو واحد پر فائق سمجھتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اکثر اوقات اِس قسم کی جمعیں خوبی شعر کے معاملہ میں سحر کا کام کرجاتی ہیں۔ مثلاً جعفر علی حسرت اُستادِ جرأت فرماتے ہیں۔

بھلادیں یار نے دل سے ہمارے آور بھی یادیں
عجب تاثیر رکھتی ہیں الٰہی دل کی فریادیں

نیز فرماتے ہیں:-

بہاریں ہم کو بھولیں یاد ہے اتنا کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اِک ہنگام آیا تھا

شعرِ اوّل میں یاد کی جمع سے اگرچہ کوئی ظاہری فائدہ نہیں معلوم ہوتا لیکن اگر غور سے دیکھیے تو "بھلادیں" کے ساتھ اظہار تکمیل تغافل کے لئے ایک "یاد" کی بجائے "یادیں" لفظاً و معناً کسقدر موزون ہے۔

اِس قسم کی جمعیں فارسی کے اُس انداز کی تقلید میں ہیں جو جمع الفاظ کے متعلق ہے۔ میری مراد اُس جمع سے ہے جو "ہا" سے بنتی ہے۔ مثلاً مرزا غالب کہتے ہیں:-

ہائے ایں پنجہ کہ با جیب کشا کش دارد
بود با دامنِ پاکت چہ قدر ہا گستاخ

جس طرح فارسی میں اکثر ایسی جمعیں جو واحد پر "ہا" زائد کرنے سے بنتی ہیں ظاہراً بیوجہ معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں شعر کی خوبی اُن سے بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح اُردو میں بھی یہ طریقہ جمع الفاظ ترقیِ حُسنِ شعر کے لئے بہت مفید ہے۔

پیروانِ مومن خصوصاً نسیم دہلوی نے اِس نکتہ سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے اور جابجا اِنکا استعمال بڑی خوبی سے کیا ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں:-

بیتابیوں نے دل کی ڈالا ہے کس غضب میں
پہلو بدل رہے ہیں نالے کنارِ شب میں

نیز کہتے ہیں :-

نسیم غفلت کی چل رہی ہے اُمنڈ رہی ہیں بلا کی نیندیں
کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے

ہاں تو جمع کا یہ طریق دلکش بھی ہے اور مسلّم بھی لیکن بعض ایسی صورتیں ہیں جنکو اب لوگوں نے بلاوجہ ترک کر دیا ہے۔ مثلاً الفاظ "آئیاں ہیں" "مچائیاں ہیں" بجائے "آئی ہیں" "مچائی ہیں" اور "راتیں کالیاں" بجائے "کالی راتیں" کسی زمانہ میں عام طور پر مستعمل تھے۔ لیکن اب متروک ہیں۔ حالانکہ وہ کئی قسم کا فائدہ دیتے تھے۔ مثلاً

(۱) حسن صفت کے بڑھانے کے لیے۔

مثلاً میر صاحب فرماتے ہیں :- ؎

گل نے ہزار رنگ سخن سر کیا ولے
باتیں گئیں نہ دل سے تری پیاری پیاریاں

جرأت کہتا ہے :- ؎

یاد کرو وہ حسن سبز اور انکھڑیاں متوالیاں
کاٹتے ہیں رو رہی رو ساون کی راتیں کالیاں

خواب میں بھی وہ نظر آتا نہیں مدت ہوئی
جاگتے ہی جاگتے کٹتی ہیں راتیں ساریاں

ان اشعار میں ہر موقع پر جمع صفت نے نیا کام کیا ہے۔ پہلے شعر میں باتوں کی محبوبی کو زیادہ کیا ہے۔ جرأت کے مطلع میں مصرعہ اوّل میں مستی چشم یار کو اور مصرعہ ثانی میں سیاہی شب غم کو بڑی خوبی سے زیادہ کر دکھایا ہے اور تیسرے شعر میں درازی شب فراق کو اور بھی درازی دیدی ہے۔

(۲) کسی قسم کے جذبہ یا جوش کو ترقی دینے کے لئے۔

مثلاً میر صاحب شوخی عشاق کی نہایت نمایاں تصویر یوں کھینچتے ہیں۔ ؎

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسو سے آنکھیں لڑائیاں ہیں

عبدالحی تاباں جوش طرب و بہار کی کیفیت ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ ؎

حسن وفصلِ گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں   کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

آپ تو تھیں ہی پر انکو بھی کیا خانہ خراب   درد اپنے ساتھ آنکھیں دل کو بھی لے ڈوبیاں

مصحفی اپنے وفورِ الم کا سبب نہایت دردمند الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

بے دیکھے جنکے پل میں آنکھیں بھر آئیاں ہوں   کیا قہر ہے جو اُس سے برسوں جُدائیاں ہوں

اس سارے بیان سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسمائے جمع مؤنث کے ساتھ جمع افعال کا ہونا ضروری ہے۔ میرا جو کچھ مقصد ہے وُہ یہ ہے کہ رنج ویاس ووحشت وشوخی کی زیادتی کے اظہار کے لئے کبھی کبھی انکو جائز سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ بعض وقت ضرورت شعری انکی موجودگی چاہتی ہے اور بعض وقت نفسِ مضمونِ شعر۔ اور ایسی حالتوں میں وُہ شاعر جو حقیقت میں بڑے ہیں انہیں استعمال کرتے ہیں اور انکے متروک ہونے کی مطلق پروا نہیں کرتے۔

مثلاً خواجہ آتش فرماتے ہیں:۔ ؎

عہدِ طفلی ہی میں یہ تھا میں بسکہ سودائی مزاج   بیڑیاں منت کی بھی پہنیں تو میں نے پھاڑیاں

اور صاحبِ مثنوی زہرِ عشق جنکی زباندانی مسلّم ہے اپنی مثنوی بہارِ عشق میں فرماتے ہیں

اور وہ ہوتیاں ہیں البیلی   میں نہیں کچی گولیاں کھیلی

خواجہ صاحب نے قافیہ کی ضرورت پر نظر کرکے اور مرزا شوق نے شوخیِ تقریر کی کیفیت پیش کرنے کے لحاظ سے بلا تکلف انکا استعمال کیا ہے اور بجا کیا ہے۔ اگر مرزا رفیع السودا نے لکھا ہے۔ ؎

وہ صورتیں نجانیں کس دیس بستیاں ہیں   اب جنکے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

تو شیخ محمد جان شاد لکھنوی (شاگرد میر کلو عرش معروف بہ پیرو میرا) نے بھی انہیں

جائز رکھا ہے اور جا بجا اپنے دیوان میں استعمال کیا ہے - حالانکہ اُنکے انتقال کو صرف ایک سال ہُوا ہے - اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر بے موقع نہو تو ان کا استعمال ضرور جائز ہے - اور انہیں صرف متروک ہونے کے لحاظ سے ٹکسال باہر نہیں سمجھنا چاہیے +

سیّد فضل الحسن حسرت موہانی (از علیگڈھ کالج)

چاندنی رات

خاموشی کا عالم ہے ہر اِک سمت ہر ایک سُو
کیا لطف ہُوا ہے کہ بہے پڑتی ہے خوشبو
مہتاب ہے یا نُور کی پھیلی ہے کوئی جُو
دیکھو جو فلک کو تو نظر آتا ہے جادُو
جھُرمٹ میں ستاروں کے عیاں مہ کی پری ہے
بجرے کی سواری میں ہَوا کھانے چلی ہے

(میر نذیر حسین احمد آبادی)

صبحِ پیری

ہر وقت کا ایک مقتضا ہے
ہر عمر کی وضع اِک جُدا ہے
پیری میں شباب کی اُمنگیں
باقی رہیں یہ کبھی سزا ہے
یہ سچ ہے کبھی جواں تھے ہم بھی
کرنا جو نہ تھا وُہ سب کیا ہے
یاں اب ہے طلوعِ صبحِ پیری
وُہ خوابِ شباب بے مزا ہے
ہے بزمِ نشاط مجلسِ غم
نغمہ نوحہ کی اب صدا ہے
آگے تھا زباں پہ بادہ بادہ
اب لب پہ فقط خدا خدا ہے

(ڈاکٹر فضل حسین حشمت از مظفر نگر)

رؤیائے مرزا

(ترجمہ از اڈلیسن)

چاند کی پانچویں تاریخ کو (جسے میں اپنے آبا و اجداد کی رسوم کے موافق نہایت متبرک خیال کرتا ہوں) غسل کر کے میں نے کپڑے پہنے۔ اور صبح کی نماز ادا کر کے میں بغداد کی اونچی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ تاکہ وہاں تنہا بیٹھ کر دن کا باقی حصہ یادِ خدا میں گذاروں۔ میں قلۂ کوہ پر مزے سے ٹہل رہا تھا۔ اور خوشگوار نسیم کے لذت افزا جھونکے میرے دل و دماغ کو معطر کر رہے تھے۔ کہ یکایک میرے دل میں انسانی نخوت و تکبر کا خیال موج زن ہوا۔ اور میں اس معاملہ پر نظرِ تعمق سے غور و خوض کرنے لگا۔ صدہا خیالات کے بعد میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ بیشک انسان محض سایہ ہے اور زندگی ایک خواب ہے۔ اسی حالتِ اضطراب میں میری نظر پاس کے چٹان پر جا پڑی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک گڈریا ہاتھ میں بنسری لئے بیٹھا ہے میری طرف دیکھتے ہی اس نے بنسری بجانی شروع کر دی۔ اس کی آواز نہایت ہی شیریں تھی۔ اور وہ اس مزے کی تان اڑا رہا تھا۔ کہ میرا دل فرطِ طرب سے جوش میں بھر آیا۔ ایسا نغمہ آج تک میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ میں نے دل میں خیال کیا۔ کہ یہ سُر شاید اُن آسمانی نغموں سے آشنا ہیں۔ جو فرشتہ سیرت اور نیک خصال بزرگوں کے اس دنیائے فانی سے کوچ کے بعد جنت الفردوس میں داخل ہوتے ہی اس لئے گائے جائینگے۔ کہ وہ نزع کی خوفناک حالت کو فراموش کر دیں۔

میں بعض اشخاص سے پہلے سن چکا تھا۔ کہ یہ چٹان ایک جن کا گھر ہے۔ اور لوگوں نے بہت دفعہ اس کے شیریں نغموں کو سنا ہے۔ مگر کبھی کسی نے اس کی شکل

نہیں دیکھی- جب مجھے اس کے راگ نے محوِ حیرت کر دیا- تو میرے دِل میں اس کے ساتھ ہمکلام ہونے کی آرزو پیدا ہوئی- میں نے سراسیمگی کی حالت میں اُس کی جانب دیکھا- اُس نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنے پاس بُلایا- میں نہائت ہی مودبانہ اور انکسار کی حالت میں آگے بڑھا- اور چونکہ اُس کے دلفریب نغمہ نے میرے دِل و دماغ پر قابو پالیا تھا- مَیں جاتے ہی اُس کے پاؤں پر گر پڑا- اور گریہ وزاری کرنے لگا- جن میری حالت دیکھتے ہی کچھ ایسی نظرِ لطف سے مُسکرایا- جو میری قوتِ متخیلہ سے آشنا معلوم ہوتی تھی- اور جس نے میرے دِل سے تمام خوف اور ڈر نکالدیا- پھر اُس نے مجھے زمین پر سے اُٹھایا- اور کہنے لگا "جس خیال میں تم غرقاب تھے- اور جو جو باتیں حالتِ اضطراب میں تم نے اپنے آپ سے کیں- مَیں نے سب سُن لی ہیں- میرے پیچھے آؤ"- پھر وُہ مجھے اُس پہاڑی کی سب سے اُونچی چوٹی پر لے گیا- اور کہنے لگا "مشرق کی طرف نظر دوڑا کر مجھے بتاؤ تم کیا دیکھتے ہو"- میں نے کہا- میں دیکھتا ہُوں کہ سامنے ایک بڑی وادی ہے- اور پانی اُس میں بڑے جوش و خروش سے لہریں مارتا ہے- اُس نے کہا کہ یہ وادی وادیِ مصیبت ہے اور امواجِ آب زندگی جاوید کے مدّو جزر کا ایک حصّہ ہیں- مَیں نے پُوچھا- کہ کیا وجہ ہے کہ یہ تلاطمِ امواج ایک بڑے دُھندلے غبار سے اُٹھتا ہے اور دوسری طرف بھی ایک نہائت دھندلے غبار میں غائب ہو جاتا ہے- اُس نے جواب دیا "کہ جو کچھ تم دیکھتے ہو- یہ زندگی جاوید کا وُہ حصّہ ہے جسے **وقت** کہتے ہیں- اور جس کی پیمائش آفتاب خود کرتا ہے- اور جو آغاز دُنیا و مافیہا سے لیکر اُس کے انجام تک پہنچتا ہے- اچھی طرح سے اِس سمندر کی طرف دیکھو جو کہ دونو انجاموں پر اندھیرے میں گھرا ہوا ہے اور مجھے بتاؤ کہ تمہیں کیا نظر پڑتا ہے"- مَیں نے کہا کہ مدّ و جزر کے درمیان میں ایک پُل کھڑا دیکھتا ہُوں- اُس نے جواب دیا کہ یہ پُل انسانی زندگی ہے- اِس کا خُوب طرح سے ملاحظہ کرو- گہری

نظر ڈالنے سے مجھے معلوم ہوا کہ اس پل میں کوئی ساٹھ ایک مکمل محراب دار دروازے
ہیں۔ اور کوئی بیس تیس ٹوٹے ہوئے ہیں۔ میں ان محرابوں کو شمار کر رہا تھا کہ مجھے
اس جن نے بتلایا کہ اسی پل کے پہلے ہزار محراب تھے۔ مگر ایک سیلِ عظیم آیا۔ اور بہت
سے محرابوں کو بہا کر لے گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ہزارہا آدمی اس پل پر گذر رہے
تھے۔ اور ایک سیہ بادل اس کے دونو طرف چھایا ہوا تھا۔ اسی اثنا میں کیا
دیکھتا ہوں کہ اس پل کے بہت سے چور دروازے ہیں۔ اور جونہی کہ مسافر ان
پر قدم رکھتے ہیں۔ فوراً نیچے خوفناک سمندر میں جا پڑتے ہیں۔ مگر بعض اشخاص ایسے
بھی میری نظر پڑے۔ کہ گرتے پڑتے ان ٹوٹی ہوئی محرابوں پر چلے جا رہے تھے
مگر وہ بھی کچھ مدت کے بعد یکے بعد دیگرے نیچے گر پڑے۔ بعض آسمان کی طرف
عالمِ تفکر میں نظر اٹھائے ہوئے چلے جاتے تھے۔ کہ فوراً ہی ٹھوکر کھا کر طعمۂ نہنگ
اجل ہو گئے۔ ہزارہا آدمی پانی کے لطیف بلبلوں کے تعاقب میں چلے۔ جو کہ انہیں
عجیب عجیب گوناگون رنگ دکھاتے نظر آتے تھے۔ اور انکے آگے ناچتے جاتے
تھے۔ مگر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ بالکل قریب ہی ہیں۔ تو انکے پانوں پھسل
پڑے اور وہ اس خوفناک سمندر کے منجدھار میں جا گزین ہو گئے۔ بعض اشخاص
ہیبت ناک صورتیں بنائے اور ہاتھوں میں خنجریں اور تلواریں لئے زبردستی
آدمیوں کو ان چور دروازوں کیطرف دھکیل دیتے تھے۔ اور وہ بیچارے راہیِ ملکِ
عدم ہوتے تھے۔ میں اس عجیب عمارت کو نظرِ عبرت سے دیکھتا تھا۔ اور اس کے
ہیبت ناک منظر میرے شیشۂ دل پر ٹھیس لگاتے تھے۔ اور میں کلفت کے گرد و
غبار میں سراسیمہ د غرقاب ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں وہ جن کہنے لگا۔ "مرزا اب
اس ہیبت ناک پل کیطرف سے نظر ہٹا لو۔ اور مجھے وہ بات بتاؤ جو تم نہیں سمجھ سکتے۔"
میں نے اوپر دیکھ کر کہا۔ کہ بھلا یہ جو ہزارہا پرندے پل کے دونوں طرف اڑ رہے ہیں

انکا کیا مطلب ہے - جن بولا - کہ یہ دراصل پرندے نہیں - کوئی اُن میں حسد ہے - کوئی حرص - کوئی وہم - کوئی یاس - کوئی عشق - کوئی عیاشی - کوئی خود پسندی وغیرہ - میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا "افسوس انسان یونہی دُنیا میں پیدا کیا گیا - کسقدر مصیبت - کسقدر رنج والم کا اُسے سامنا کرنا پڑتا ہے - زندگی میں کسقدر تکلیف اُٹھاتا ہے - اور آخر کار اُسے موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے - جن نے میری طرف نظر ترحم سے دیکھا - اور کہا - اس خوفناک جگہ کی طرف مت دیکھو یہ تو انسانی زندگی کا پہلا سٹیج ہے - مگر اُس گہرے غبار کی طرف نظر ڈالو - جس میں کہ مدّوجزر ان گرے ہوئے آدمیوں کی نعشوں کو ڈالتا ہے - جب میں نے اُسطرف دیکھا - تو مجھے معلوم ہوا کہ اس وادی کے دو راستے ہیں - اور اس میں ایک بڑا فراخ سمندر ہے - جس کے وسط میں ایک بڑی پہاڑی ہے جو کہ اس کو دو حصوں میں منقسم کر دیتی ہے - اس کے نصف حصہ پر ابر سیہ اس طرح چھایا ہوا تھا - کہ مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا - مگر دُوسری جانب ایک وسیع بحر مجھے نظر آیا - جس میں کہ بیشمار خوبصورت جزائر تھے - جو کہ پھلوں اور پھولوں سے بھرے ہوئے تھے - اور بیچ میں چھوٹی چھوٹی نہریں تھیں - جن میں آب صفا بڑی صفائی سے بہتا تھا - اُن کے کناروں پر سرو وصنوبر ایسی خوشنمائی سے لگے ہوئے تھے - کہ اُنکی صورت دیکھتے ہی دل بے اختیار قابو سے نکلا جاتا تھا - اور میرے جی میں بار بار یہ آرزو پیدا ہوتی ہوتی تھی کہ صانع کی قدرت کی لاکھ لاکھ بلائیں لے لوں - صبا ان پھولوں کی خوشبو بسی ہوئی عجیب ناز و ادا سے اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی چلتی تھی - بعض اشخاص مزین لباس زیب تن کئے ہوئے - پھولوں کے ہار جو کہ عقود جواہر کو مات کرتے تھے - گلوں میں پہنے ہوئے لب جو ٹہل رہے تھے - اور بعض پھولوں کی سیجوں پر آرام کی نیندیں لے رہے تھے - اس خوشنما اور دلچسپ منظر کے دیدار فرحت افزا سے جو خوشی میرے دل کو حاصل ہوئی - قلم کی کیا طاقت ہے کہ صفحہ قرطاس پہ

حروف کی شکل میں، اس کا عشر عشیر بھی دکھا سکے۔ میرا دل بے اختیار یہی چاہتا تھا
کہ کہیں سے عقاب کے پر مجھے مل جائیں۔ اور میں اُڑکر وہاں جا بسوں۔ مگر میرے
رفیق کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ وہاں جانے کے لئے کوئی آسان اور سیدھا راستہ
نہیں۔ اگر وہاں کوئی جانا چاہتا ہے۔ تو اُسے ان موت کے دروازوں سے
جن کو کہ مَیں نے پل پہ دیکھا تھا گذرنا ہوگا۔ پھر مجھے مخاطب کر کے وہ یُوں گویا ہوا۔ "یہ
جزیرے جو تم کو ایسے ہرے بھرے اور تر و تازہ نظر آتے ہیں۔ اور جن سے کہ اس بحر کی تمام
سطح بھری ہُوئی ہے۔ تعداد میں ساحل سمندر کی ریگ کے وزن سے بھی زیادہ ہیں۔
اور یہ جزیرے جو تمہیں نظر آتے ہیں۔ انکے پیچھے اور جزیرے بھی ہیں۔ جنہیں تمہارا
محاسبِ فکر شمار نہیں کر سکتا۔ اور جن کی خوبصورتی تمہاری قوتِ متخیلہ میں سما
نہیں سکتی۔ یہ محلات بعد مرگ اُن نیک خصال آدمیوں کو درجہ بدرجہ عطا کئے گئے ہیں
جنہوں نے دُنیا میں نیکی سے زندگی بسر کی اور جو کام کئے ثوابِ آخرت کے لئے
کئے۔ ہر ایک محل اپنے رہنے والے کے مذاق کے موافق اشیاء سے آراستہ و پیراستہ
ہے۔ گویا بجائے خود فردوس بریں ہے۔ اے مرزا کیا ایسے محلّوں میں بسنے کی
کوشش نہیں کرنی چاہیے؟ کیا تم اُس زندگی کو مصیبت زدہ تصور کرتے ہو جو کہ
تمہیں ایسے اجرِ عظیم کے حاصل کرنے کی طاقت بخشتی ہے؟ کیا ہمیں اُس موت
سے ڈرنا چاہیے جو ہمیں آخرت میں ایسی جگہ لے جائیگی۔ جہاں سے سچّی خوشی حاصل
ہوگی؟ یہ کبھی خیال نہ کرنا چاہیے۔ کہ انسان (جو زندگیٔ جاوید حاصل کر سکتا ہے)
تو نہیں بیفائدہ پیدا کیا گیا تھا"۔

مَیں نے پھر اُن خوشنما جزیروں کی طرف نہایت ہی فرحت آمیز نظروں سے
دیکھا اور پھر مَیں نے اُس سے کہا۔ "براہ مہربانی مجھے یہ تو بتلا دیجئے کہ ان خوفناک
سیہ بادلوں کے نیچے اس پہاڑی کے دوسری طرف کیسا منظر ہے"۔ جن نے مجھے

کچھ جواب نہ دیا۔ میں مُڑ کر پھر اس سے پُوچھنے کو تھا۔ کہ مجھے معلوم ہُوا۔ کہ وُہ غائب ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ پھر اُسی رویائے کی طرف متوجہ ہوں۔ جسے اتنی دیر دیکھتا رہا تھا۔ مگر اُس موج زن مدّوجزر۔ محراب دار پل۔ اور اُن خوشنما جزیروں کی بجائے۔ مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ ہاں۔ بغداد کی لمبی وادی سامنے تھی۔ جس میں بیل۔ بھیڑیں اور اُونٹ چر رہے تھے +

ذکاءُالدین خانؔ

مُردوں کے حامی - کیا مُردوں کو بُرا کہنا کمینہ پن نہیں۔ کیونکہ وُہ آپ تو اپنی حمایت میں تقریر سے قاصر ہیں؟ مگر پھر خیال آتا ہے کہ انکو کیا پڑی ہے کہ اپنے بچاؤ کی فکر کریں۔ اگر آپ انہیں بُرا کہتے ہیں تو اس سے انکو سروکار ہی کیا ہے۔ وُہ جھُوٹ جو آپ بولینگے اس کا اثر آپ پر اور آپ جیسے اور آدمیوں پر تو پڑیگا لیکن اس بُتِ خاکی کا جو قبر میں مدفون ہے۔ یا اُس رُوح کا جو قفسِ جسم سے پرواز کر گیا ہے کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ عمدہ سے عمدہ ڈھال جو آج تک ایجاد ہُوئی ہے۔ باوجود اپنی سختی کے برچھی کی نوک کا ایسا اچھا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ وہ گھاس کا پتّا جو صدمہ کے ساتھ ہی لچک جائے۔ شہرِ خاموشاں کے رہنے والوں کی نسبت جو کچھ آپ کہیں وُہ آپ کا اور اہلِ دُنیا کا معاملہ ہے۔ اگر جھُوٹ ہے تو ضرور رنگ لائیگا۔ ممکن ہے لاکھوں بندگانِ خدا کو نقصان پہنچاوے۔ ممکن ہے صدیوں کی ترقی کو روک دے۔ ممکن ہے آپ کی رُوح کو نابود کر دے۔ لیکن متوفی کے کفن کے ایک سرے میں بھی شکن نہیں ڈال سکتا۔ اس کا خیال ہی دل میں نہ لائے۔ بیشک مرے ہوؤں کا کوئی حامی نہیں۔ مگر اُنکے دو بڑے زبردست حامی ہیں جو اُنکے لئے کافی ہیں یعنے خدائے قدیر اور بدنِ خاکی کو کھا جانے والا کیڑا جو خاک کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

(رسکن)

قران السعدین

تاروں بھری رات

کھینچتی ہے شبِ تاریک سوئے چرخ کہن — کہ ستارے عجب انداز سے ہیں نور فگن
نور سے انکے قدامت کے ہیں روشن آثار — اُن کی رفتار دکھاتی ہے کچھ اگلا سا چلن
نہیں معلوم کہ روشن ہیں یہ کن وقتوں سے — نہیں معلوم کہ کب تک یہ رہینگے روشن
جگمگاہٹ کی ہے کچھ اُنکے نرالی ترکیب — چشمِ بیدار ہیں جوں سنتریوں کی چتون

سُہیل

ہے انہیں میں وہ ستارہ جسے کہتے ہیں سُہیل — کان ہیں جس سے چمک اُٹھتے ہیں یاقوتِ یمن
نافہ ساں جس سے مہک اُٹھے ادیمِ طایف — کھال کھنچوائیں جس اُمید پہ آہوئے ختن
نور سے جس کے ضیا پاکے حُسین واعظ — معنوی عرش سے لٹکاتے ہیں قندیلِ سخن
ہے یہی جس سے کہ اولادِ زنا مرتی ہے — بالکنایہ ہے یہی شیفتۂ عفتِ زن

زُہرہ

انہیں میں وہ بھی ہے کہتے ہیں جسے لُولیٔ چرخ — غمزہ و ناز اگر فن ہے وہ ہے ماہرِ فن
عشرت و عیش کی دیوی ہے پری حُسن کی ہے — ہوش کھوتے ہیں اسے دیکھ کے پرویں پرن
گو نہیں چاند مگر چاند سی صورت اس کی — عید کے چاند کی صورت ہے مسرت کا مخزن
صُبح سے لے کے ہے یہ شام تک رونقِ بزم — ہے لگن ماہ اگر بزم میں یہ شمع لگن
کچھ تعجب نہیں ہے رقص کا اُس کی ہی اثر — ہے جو مدت سے یہ چکرایا ہوا چرخِ کہن
صُبح کا اُس کو بتاتا ہے ستارا کوئی — کوئی کہتا ہے کہ ہے شام اسی سے روشن
لُوسفر بھی ہے یہی اور یہی ہے وِسپر — مختلف نور سے ہے زینتِ فانوسِ زمن

کہتے زہرہ اسے کاہن ہیں تو وینس رہبان / برہمن کہتے ہیں شکرا اسے ناہید شمن
فرطِ اسما ہو اگر حسنِ مسمّی کی دلیل / تو مدلل ہے یہ دعویٰ کہ یہی ہے احسن

ہاروت ماروت

وہ جو دنیا میں ہے قبرس کا جزیرہ مشہور / تھا وہیں بیچ سمندر میں کہیں اس کا وطن
نکلی اک روز سمندر سے نہا کر دھو کر / ہائے وہ سولہ سنگار اور وہ بارہ ابرن!
کہیں ہاروت کے تھے ساتھ کھڑے واں ماروت / اس طرح کا کبھی دیکھا تھا کہاں چاہِ ذقن
چاہ سے گو دپڑے دونوں کے دونوں اس میں / آج تک کھاتے ہیں غوطے پڑے بے دلو و رسن
لاکھ جادو وہ سکھائیں یہ نہیں کام آتا / ایک جادو بھی۔ کچھ ایسی ہے وہ جادو چتون
جس کو باور نہیں افسانۂ چاہِ بابل / چاہیے سر کے لئے ہم سے وہ لے مغزِ سخن
چاہِ بابل ہو وہ دل جس میں کہ ہو چاہ کی لو / شمع ساں جلنے ہی سو جس نے لگائی ہو لگن
کچھ نہ پوچھو کہ ہیں اس چاہ میں کتنے جادو / دل کی پوچھو۔ تو نہیں ختم ہے بس سحر کا فن
الغرض حسن کی دیوی نے اڑائی جب آنکھ / چوکڑی بھول گئے ساری وہ تقویٰ کے ہرن
رہ گیا عشق ادھر حرص کا کھوئے ہوئے منہہ / اڑ گیا حسن ادھر اپنا بچا کر دامن
چرخ کا حسن ادھر بن کے ستارا چمکا / عشق ادھر جھونکا گیا لے کے میانِ گلخن

کیوپڈ

کہتے ہیں تھی یہ فرشتوں کی نظر کی تاثیر / کہ ہوئی حاملہ ناہید بیک چشم زدن
نو مہینے میں ہوا خیر سے بچہ پیدا / کیسا بچہ؟ ہوں جسے دیکھ کے آنکھیں روشن
لیک دیکھو تو خود اس کی نہیں روشن آنکھیں / چاند سورج میں لگا منہہ کے ہی ظلمت کا گہن
کم بصر ہے پہ بصیرت سے ہے تلافی کرتی / منہہ پہ آنکھیں ہیں بندی دل کی ہیں آنکھیں روشن
کوئی ثانی نہیں اس کا قدر اندازی میں / پرلے ہی درجے کا اس فن میں یہ ہے ماہرِ فن
پیٹھ پر سونے کے تیروں سے بھرا ہے ترکش / چوستے غنچۂ گل جن کے ہیں پیکاں کا دہن

قبضے میں قبضہ ہے الماس کا چاندی کی کمان
شہد کی مکھیاں چلّے کا ہیں پکڑے دامن

ہے نکلتا اُدھر احباب کے مُنہ سے زہ زہ!
چل رہے تیر اُدھر گر ہیں کمان سے زن زن

دیکھو جس تیر کو ہے دل ہی میں آکر وہ دوبا
چھیدتی ریشمی گھنڈی کو ہو جیسے سوزن

موسیقی کا کمال

سُنتے ہیں زہرہ کو موسیقی میں بھی ہے وہ کمال
کہ تھرکنے لگے گھر ناچ کھڑا ہو آنگن

در و دیوار لگیں دوڑ کے تالی دینے
شوق میں پردے سے باہر نکل آئے چلمن

یہی موسیقی نہ ہو جس سے کہ تن میں آئی
رُوح انساں کی سُنا اُس نے جو در تن در تن

ہو یہیں سے نہ کہیں ماخذِ فیثا غورس
کہ بتاتا ہے وہ گردش میں فلک کو ارگن

گردشِ چرخ لگاتی ہے سُریلی تانیں
کھولتا لے کے حقیقت ہے زمانے پہ زمن

ہر ستارہ ہے پڑا اپنی جگہ ناچ رہا
ناچ گھر خاصا ہے کب ہے یہ فضا کا گلشن

اثرِ طالع

جوتشی کہتے ہیں جس وقت کہ یہ زہرہ جبیں
جھانک کر اپنا جھروکے سے دکھاتی ہو درشن

کیا بتائیں تمہیں اِس صبحِ سعادت کا سُبھاؤ
سُبھ ہے ہر ایک گھڑی سمجھو جو ہوئی اس کی لگن

سعدِ اصغر ہے یہی ہو نہ قرانُ السعدین
مشتری سے جو کبھی اس کی لگی ہو نہ لگن

مشتری

بیٹھا کُرسیِ سعادت پہ ہے قاضیِ فلک
ریش کی جا ہے تقویٰ پہ ہے نورانی پھبن

ظاہراً گرچہ ہے لولیِ فلک سے سروکار
کیا تعجب ہے جو عصمت کا بچا ہو دامن

کیا عجب عشق میں مرعی ہوں فلاطوں کے اصول
ہو یہی چشمِ زمانہ میں فلاطونِ زمن

بزمِ واحد میں جو ہیں قاضی و لولی دونوں
بڑی اس میں بھی سعادت ہے نہ ہونا بدظن

کہتے کیوں اس کو ہیں قاضیِ فلک؟ سوچو تو
اس کی تحقیق ہے کس طور پہ عقلاً نقلاً؟

اس کی تاویل دمدکار ہے یونان کی عقل
آئی ہے ہند کے شہروں میں جو ہو کر لندن

وہ یہ کہتی ہے کہ تھے آلہہ یوناں میں بہت ہند میں ٹھاکروں کے جیسے ہیں ہر جا درشن
انہی میں ایک جو تھا اُن کا بڑا سا ٹھاکر بھاگوان اُس کے تھے انصاف کی ہر گھر میں چرچن
ڈیوپٹر اس کو سمجھتے بھی تھے کہتے بھی تھے دیوتا حق سمجھتے تھے ہر ایک اُس کا بچن
ڈیوپٹر اور پدر دیو ہیں دونوں واحد جوپٹر اب یہی مشہور ہے شرقاً غرباً
پڑھ لو تاریخوں میں جا کر جوپٹر کے اوصاف پوچھ لو جا کے مؤرخ سے ہوا متّھ کہ گگن
دیوتا پہلے تھے جتنے تھے زمیں پر آباد پھر لگے چرخ کے دیول سے دکھانے درشن
سبب اس کا ہے مگر صابیوں کی شرکت وہ جنہوں نے کہ ستاروں سے لگائی تھی لگن
کچھ یہ اس ملک کی شاید کہ خصوصیت تھی خوش نصیبی سے جہاں پیارا سا تھا اُنکا وطن
تھی زمیں ریت کی ذروں کو ستاروں بھری رات آسماں رات کو تھا تاروں سے قدرت کا چمن
یوں شب و روز انہیں تارے ہی آتے تھے نظر جبھی رہنے لگے تاروں کے تصور میں مگن
رفتہ رفتہ وہ لگے اُن کی عبادت کرنے آنکھیں پتھرا کے عقیدت سے اُٹھا کر گردن
پھر عبادت میں کیے انکے مراتب قائم دیکھا جس کوکبِ تابندہ کو جتنا روشن
بُت پرستوں سے ہوا صابیوں کا جب میل ڈالی گردن میں عقائد نے تالف کی رسن
بُت نہ وہ بت رہے تارے نہ رہے وہ تارے تارے بُت بن گئے بُت بن گئے تارے روشن
بُت تھے یا تارے تھے دونوں لگے آنے جانے آسماں اور زمیں ہو گئے گھر اور آنگن
دونوں میں آج بھی قائم ہے وُہی آمد و رفت وضع داری کا سکھاتے ہیں یہ دونوں ہی چلن
یوں غرض باپ وہ یونانیوں کے ٹھاکروں کا بن گیا چرخِ عقائد پہ ستارہ روشن
مشتری کر کے جسے ہم ہیں پکارا کرتے لے کے جو جنسِ سعادت کی نہ دے کوڑی ثمن
قوّتِ فیصلہ ہے اپنی ہے قاضی مشہور ہے یہی محکمۂ عدل کا حاکم حکماً
چرخ پر اس کا ہے مشہور زبردست دماغ عقلِ کُل ہے یہی گویا کہ دماغاً عقلاً
آنکہ جس کو کہ رومی ہیں منروا کہتے مشتری کا ہے دماغ اُس سے ہوا البتن

عقل اور علم کا یونان کے ہے ربّ النوع
زادۂ اُمِّ دماغ اُس کا ہے بے پیچ سخن

(علم اور عقل سے بے شک ہی سعادت کو لگاؤ
ہے سعید اب جو سرفراز ہے علماً عقلاً)

مشتری کا رب ہے دُنیا یہ الٰہی سایہ
کہ پڑے کشتِ ترقی پہ سعادت کی بھرن

جرم سے اسکے ہے علم کی ہستی قائم
نُور سے اس کے ہیں عقل کی آنکھیں روشن

نظم بے شک ہی یہ شہباز قران السعدین
مُشتری سے ہو گئی دیکھو تو زُہرہ کی لگن

سعدِ اصغر ہے یہیں ہمدمِ سعدِ اکبر
لارڈ کرزن کے قریں جیسے کہ لیڈی کرزن

شہباز (از اورنگ آباد)

خُون

(از ملفوظاتِ مولینا سید امجد علی صاحب اشہری)

بہت سُراغ لگایا مگر پتا نہ ملا
کہ کیوں ہے خون کا پیاسا قدیم سے بشر

بہت قدیم سے رسمیں یہ ہی چلی آتی
کہ بھینٹ دینے سے ہووے بلا کا دفعِ ضرر

کبھی پہاڑوں پہ ہوتے تھے صاعقے نازل
زمانہ کرتا تھا اُن صاعقوں سے کسبِ اثر

تمام روم میں قربانیوں کا چرچا تھا
تمام مصر میں چرچا تھا بھینٹ کا گھر گھر

تمام ساکنِ یونان و فارس و بابل
مذاقِ خاص میں قربانیوں کے تھے خُوگر

سوائے جانوروں کے حلال ہوتے تھے
جو ہوتے بھینٹ کو مخصوص آدمی چھنٹ کر

ہنُود میں بھی بشدت رواج تھا اس کا
ہیں اب بھی اُس کے نمونے کے مختلف منظر

ہزاروں عورتیں اب بھی زباں کٹی دیکھو
جنھوں نے اپنی زبانیں چڑھائیں دیبی پر

زباں کے خُون سے دیبی کو شاد کام کیا
کسی نے بھینٹ کئے آدمی کہیں جا کر

کھلا پلا کے اُسے دم میں ذبح کر ڈالا
ادائے رسم سے پہلے پڑھے گئے منتر

عجیب بات یہ دریافت تجربہ سے ہوئی
قصائیوں کو ہو طاعون کا بھی کم ہی اثر

جہاں کی قوموں کو خونریزیوں کی عادت ہے
وہاں نہ ہیضہ و طاعون کا کبھی ہو گزر

جو بکریوں کے ہو گلّے میں عام بیماری
تو چند جانوں کے دینے سے دُور ہو یکسر

اسی طرح سے جو امراض قہرمانی ہیں
بتائیں اُنکے لئے سفکِ دم کا خاص اثر

کہیں ہیں مارتے مینڈھے کو تا ہو دفعِ بلا
کہیں گراتے ہیں بھینسے کو پڑھ کے کچھ منتر

کوئی ہے مُرغ کو دیبی کی بھینٹ کردیتا
کوئی ہے بکرے کو بیجا کے مارتا یکسر

تمام کشورِ افریقہ ان مراسم میں
ہے ایشیا سے بھی کچھ آگے اور بڑھ چڑھ کر

اگر کہیں کہ جہالت کی ہیں یہ سب رسمیں
تو میں کہونگا نہیں یہ مجھے نہ ہو باور

بڑی بڑی جو ہیں قومیں مہذب و دانا
کہ جن کے نام پہ کرتا ہے فخر علم و ہنر

وُہ خود بھی ایسے رواسم کی آپ عامل تھیں
وُہ آپ ایسی مراسم کی ہو چکیں خوگر

ہے محو فکر میں خود نین ٹین سینچوری
کہ اس کی علتِ اصلی کو کیا کرے باور

چھڑی تھی بحث یہ یورپ میں کیا سبب اسکا
کہ امنِ عام سے پیدا ہوں خاص خاص ضرر

مگر جواب ابھی تک نہیں ہوا شایع
کہ جسکو مان لیں دانائے ملت و کشور

یہی ہے ہند کہ جب خانہ جنگی رہتی تھی
تو قحط و ہیضہ و طاعون کا نہ یوں تھا گذر

جو کٹ کے مرتے تھے وُہ ملک کا تھے کفارہ
نہ چھیڑ کرتا تھا پھر عام ملک سے نخچیر

ہماری قوم میں بھی ہے رواج قربانی
ہماری قوم میں بھی اس کے ہیں نشاں مضمر

ہزاروں اُونٹ تو لاکھوں ہوں دُنبے قربانی
ہے جس کے واسطے مخصوص خاص عیدِ بقر

سوائے اسکے جو بیمار ہو کہیں کوئی
تو گوسفند کریں ذبح کچھ دُعا پڑھ کر

مشاہدہ سے بھی ثابت ہے اس قدر ہوتا
کہ ان سے بعض مقاصد میں ہو صدورِ اثر

ہمارے فعل کا مفہوم کیا ہے کسبِ ثواب
ہمارے اُونٹ کا رُتبہ ہے سب سے بالاتر

ہمارا دُنبہ چلے گا صراط پر کھٹ کھٹ
بڑھائے پاؤں خوشی سے جھکائے عجز کا سر

دیا جو طعنہ فرشتوں نے آدمی کے لیے | وُہ سفکِ دم سے تعلق پذیر ہے یکسر
کہا خدا نے کہ تم جانتے نہیں اس کو | مَیں جانتا ہُوں جو اس میں ہے رازِ حق مضمر

اشہری

خطِ منظوم

(پیغامِ بیعت کے جواب میں)

خضر سے چھپ کے مر رہا ہوں میں | تشنہ کامِ مے فنا ہوں میں!
ہم کلامی ہے غیریت کی دلیل | خامشی پر مٹا ہوا ہوں میں
کانپ اُٹھتا ہُوں ذکرِ مرہم پر | وُہ دلِ درد آشنا ہوں میں!
تنکے چُن چُن کے باغِ اُلفت کے | آشیانہ بنا رہا ہوں میں
گلِ پژمردۂ چمن ہوں مگر | رونقِ خانۂ صبا ہوں میں!
کارواں سے نکل گیا آگے | مثلِ آوازۂ درا ہوں میں
دستِ واعظ سے آج بہکے نماز | کس ادا سے قضا ہوا ہوں میں!
مجھ سے بیزار ہے دلِ زاہد | دیدۂ حور کی حیا ہوں میں؟
ہے زباں مائلِ ترانۂ شوق | سُننے والے کو دیکھتا ہوں میں
مَیں نے مانا کہ بے عمل ہوں مگر | رمزِ وحدت سے آشنا ہوں میں
پردۂ میم میں رہے کوئی | اس بھلاوے کو جانتا ہوں میں
سب کسی کا کرم ہے یہ ورنہ | کیا مرا شوق اور کیا ہوں میں
مَیں کسی کو بُرا کہوں! توبہ! | ساری دنیا سے خود بُرا ہوں میں
جام ٹوٹا ہوا ہوں میں لیکن | مے حق سے بھرا ہوا ہوں میں

ایک دانے پہ ہے نظر تیری — اور خرمن کو دیکھتا ہوں میں
تو جدائی پہ جان دیتا ہے — وصل کی راہ سوچتا ہوں میں
بھائیوں میں بگاڑ ہو جس سے — اُس عبادت کو کیا کروں میں
بُت پرستی تو ایک مذہب ہے — کفر غفلت کو جانتا ہوں میں
مرگِ اغیار پر خوشی ہے تجھے — اور آنسو بہا رہا ہوں میں
میرے رونے پہ ہنس رہا ہے تو — تیرے ہنسنے کو رو رہا ہوں میں

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا — بھُولے بھٹکوں کی راہ نما ہوں میں
ہُوں زمیں پر گذر فلک پہ مری — دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
عِلم ملتا ہے میری گودی میں — رازِ ہستی سے آشنا ہوں میں
رہبری دہر میں ہے کام مرا — رشکِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
ہُوں مفسّر کتابِ ہستی کی — مظہرِ شانِ کبریا ہوں میں
تو مری ہمسری کرے ! توبہ ! — دیدۂ ہست کی ضیا ہوں میں
بُوند اک خُون کی ہے تو لیکن — غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں
دِل نے سُنکر کہا کہ سب سچ ہے — پر مجھے بھی تو دیکھ کیا ہوں میں
رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے — اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
میرے دم سے جہان بستا ہے — اس اندھیرے میں چاندنا ہوں میں
ہے تجھے واسطہ مظاہر سے — اور باطن کو دیکھتا ہوں میں
عِلم تجھ سے تو معرفت مجھ سے — تو خُدا جو خدا نما ہوں میں
عِلم کی انتہا ہے بے چینی — اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
شمع تو محفلِ صداقت کی — حُسن کی بزم کا دیا ہوں میں

کس بلندی پہ ہے مقام مرا — عرشِ ربِّ جلیل کا ہوں میں
گلشنِ طور میں بہار مری — قطرۂ بحرِ آشنا ہوں میں
تو ہے وابستۂ زمان و مکاں — اور اس قید سے رہا ہوں میں

ہائے یہ دل ہو میرے پہلو میں — تو یہ سمجھے کہ دہریا ہوں میں
اہلِ دل کو بگاڑ سے مطلب؟ — سب بزرگوں کی خاکِ پا ہوں میں
فیضِ اقبال ہے اُسی در کا
بندۂ شاہِ لافتا ہوں میں

اقبال

فلاکت

لالہ جیا رام صاحب ایم۔ اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور نے چند طلبائے کالج سے اردو میں نظمیں لکھوائی تھیں۔ یہ نظم اور ایک اور جس کا عنوان "اسرارِ قدرت" ہے اُن میں اچھی جانچی گئی ہیں

ان دونوں کو ہم خوشی سے ہدیۂ ناظرینِ مخزن کرتے ہیں:-

تُو ہے فلاکت جان کی دشمن — دین کی اور ایمان کی بیرن
رنج و الم کے تجھ میں نشاں ہیں — سوزِ جہنم تجھ میں عیاں ہیں
شکل تیری یہ کالی کالی — بھونڈی صورت آنکھ کی لالی
غنچۂ دل بس دیکھ کے غش ہے — خودی سے باہر اور بے بس ہے
صورتِ ظاہر گرچہ ہے نرالی — سیرت ہے پر موتیوں والی
صورت کو سیرت مت جانو — جھوٹ نہیں یہ دل سے مانو
شجرِ فلاکت گرچہ بُرا ہے — میٹھے پھلوں سے خوب بھرا ہے

افعی کہوں گر تجھ کو بظاہر زہر کا پتلا اندر باہر
صورت یہ گر تیری ڈرائے دیکھ کلیجہ منہہ کو آئے
خوشی کا من اک سر پہ گڑا ہے خوب یہ کس جڑئیے نے جڑا ہے
جان کی دشمن بن کر آئے گنج گراں تو سر پہ لائے
مارے ہیں پھنکارے بلا کے پہنچاویں جو در پہ قضا کے
اہلِ خرد اب سُنئے حقیقت اس میں نہاں ہے رازِ طریقت

چھوڑ کے دنیا جب کوئی آدم اپنے آپ میں ہو کر بیدم
قالب میں جب جان ہو مشکل قسمت نے جب کیا ہو بیکل
جی چاہے بس کھا کے ہوں کسل جان ہو جانبازی پر مائل
چاروں طرف سے چھوڑ سہارے مستی میں جنگل کو سدھارے
تنہائی وُہ رنگ دکھائے وہم و گمان میں جو نہیں آئے
جنگل میں جنت کے نشاں ہوں رازِ نہاں کچھ اور عیاں ہوں
پتوں میں لسّانی آوے دل کی کلی پھٹ سی کھل جاوے
جنگل کے بہتے وُہ چشمے کیا ہی دکھاویں عجب کرشمے
لہریں تختۂ آبِ رواں پر ہیں تفسیر رموزِ نہاں پر
دفترِ حکمت دیدۂ دل ہو اپنی فلاکت پر قائل ہو
پتھر بھی ہوں ناصح کامل یونہی کھلیں سب عقدۂ مشکل
ہر شئے میں انداز ہوں نیارے سمجھیں جنہیں کیا لوگ بچارے
تجھ سے فلاکت جو گھبرایا عقل کا اندھا اُسی کو پایا
دیدۂ دل سے تجھ کو جو دیکھا دیکھا وُہ جو تھا اندیکھا

ظاہر میں نہیں تین بھی کانٹے باطن میں ہیں بھرے خزانے
صبر سے کڑوے گھونٹ کا پینا ہے بیمار کے حق میں جینا

پنڈت ارجن ناتھ

اسرارِ قدرت

دنیا بھی عجیب مرحلہ ہے ہر روز نیا ہی مشغلہ ہے
دیکھو گے جدھر نظر اٹھا کر حیرت میں رہوگے تم سراسر
ہر ایک کی شکل ہے نرالی گوری ہے کوئی کوئی ہے کالی
سبزہ ہے کہیں کہیں ہے لالہ ہر پھول کا رنگ ہے نرالا
کہتے ہیں زبانِ حال سے سب ہم سب ہیں نمودِ قدرتِ رب
سوسن کی زبانِ حال دیکھو پھر اس کا ذرا مقال دیکھو
نرگس کی نگاہ ہے کدھر کو ہم جانتے ہیں کہ ہے جدھر کو
حیران کھڑی ہوئی ہے اک جا قدرت کا ہے دیکھتی تماشا
غنچہ کا جو منہ ابھی کھلا ہے کیا اسکو کہیں سے کچھ ملا ہے
گل مارے خوشی کے پھولتا ہے ڈرتا ہوا بید جھولتا ہے
جتنے یہ درخت بارور ہیں قدرت کے یہ اس کی سب ثمر ہیں
سب اس کی جناب میں کھڑے ہیں عزت سے وہ ایک جا پڑے ہیں
دیکھو جو پہاڑ تو ہو حیرت آئے گی نظر خدا کی قدرت
دوزانو وہ بیٹھا ہے ادب سے کرتا ہے نیاز اپنے رب سے

کوئی نہیں چیز یاں تو بیکار — اک اک میں بھرے پڑے ہیں اسرار
مینڈک کی اگرچہ شکل بد ہے — بیڈھنگی ہے چال بھونڈا قد ہے
سر میں اس کے مگر ہے ایک من — تاریکی شب کو کر دے روشن

محمد نعیم

کچکول

کس قدر اے زندگی ناآشنا جاتا ہوں میں — کس لیے آیا تھا آخر کیوں چلا جاتا ہوں میں
ساتھیوں کا قافلہ پیچھے ہے لے راہِ عدم — شکلِ آوازِ جرس آگے بڑھا جاتا ہوں میں
کر رہا ہوں قطع اس تیزی سے راہِ کوئے دوست — آپ اپنی ہوش کی صورت اڑا جاتا ہوں میں
نزع میں یہ روح سے رو رو کے ارماں نے کہا — وائے قسمت تو تو چل نکلی رہا جاتا ہوں میں
بزمِ عالم میں سراپا جل رہا ہوں مثلِ شمع — سوزِ غم سے اشک بن بن کر بہا جاتا ہوں میں
ہو گئی میری ترقی کا سبب اُفتادگی — شکلِ سایہ خاک پر گر کر بڑھا جاتا ہوں میں
جوش پر ہے عشق کا دریا سہارا کچھ نہیں — دست و بازو تھک چلے ہیں ڈوبتا جاتا ہوں میں
شام تک منزل پہ جب پہونچے تو سب ہی نے کہا — ظاہرا رستے میں لوگوں سے جدا جاتا ہوں میں
جسکو کہتے ہیں ترقی عمر کی وہ ہے کمی — جسقدر بڑھتا ہوں اتنا ہی گھٹا جاتا ہوں میں
میں کسی کا بھی نہ تھا ممنون کبھی اے ہجرِ یار — آج سر پہ لے کے احسانِ قضا جاتا ہوں میں
سامنے جانیکا عادل کے جب آتا ہے خیال — شرمِ عصیاں کے پسینہ میں نہا جاتا ہوں میں
کیا ترا نقصان کیوں برہم ہے اے دربانِ یار — دل بہت بیچین کرتا ہے تو آجاتا ہوں میں
تن نفس جو ضعف میں ہو رشکِ تارِ عنکبوت — اُس کی یہ قوت کہ سینے سے کھنچا جاتا ہوں میں

نقش ہے دل پر کہ ہو شہرت جہاں میں اے نظیر
نامور ہونیکی کاوش میں مٹا جاتا ہوں میں

(سید نظیر حسین صاحب ہاروی غازیپوری)

(سید محمد حفیظ)

کبھی صورت جو مجھے آکے دکھا جاتے ہو
دن مری زیست کے کچھ اور بڑھا جاتے ہو

اک جھلک تم جو لب بام دکھا جاتے ہو
دل پہ اک کوندتی بجلی سی گرا جاتے ہو

میرے پہلو میں تم آؤ یہ کہاں میرے نصیب
یہ بھی کیا کم ہے؟ تصور میں تو آجاتے ہو

تازہ کر جاتے ہو تم دل میں پرانی یادیں
خواب شیریں سے تمنا کو جگا جاتے ہو

اپنی ہم کو بھی دکھاتے ہو مسیحا نفسی
حسرت مردہ کو آ آکے جلا جاتے ہو

دل کے دل ہی میں رہے سینکڑوں ارماں اپنے
کوئی آنا ہے یہ؟ کیا آتے ہو کیا جاتے ہو

نگہ لطف میں جادو ہے تمہاری جاناں
سارے شکوے گلے اک پل میں بھلا جاتے ہو

شعلۂ طور سے تو وادیٔ ایمن ہی جلا
تم جہاں آتے ہو اک آگ لگا جاتے ہو

ہے تو نیرنگ وہی عشق کا رونا دھونا
انہی باتوں میں نیا رنگ دکھا جاتے ہو

خود بخود آیا ہوں میں جور دل غمناک سے
میں نہیں ڈرتا کسی کے خنجر بیباک سے

اضطراب دل کی آخر مجھ کو کیوں ہے پرسشیں
پوچھ لیں خود آپ اپنے غمزۂ چالاک سے

گردش پیمانۂ ساقی تری کیا بات ہے
کر دیا آزاد فکر گردش افلاک سے

وجہ ترک پارسائی تجھ سے واعظ کیا کہیں
ذوق صہبا دور ہے ظالم ترے ادراک سے

ہم اسیران الم پر قہر ہے منع فغاں
ہے سکوں دشوار صید بستۂ فتراک سے

شوق جنت سے ہیں فارغ عاشقان کوئے یار
پوچھ دیکھے کوئی ہم افتادگان خاک سے

آہ دردآلود میں حسرت نہ ہو کیونکر اثر
نکلی ہے آخر ہمارے سینۂ صد چاک سے

(حسرت موہانی)

کبھی تو بھول کے رکھدے قدم میرے سر پر | پڑا ہوں صورتِ نقشِ قدم ترے در پر
وہ ناتواں ہوں جو لیٹا کبھی میں بستر پر | گماں ہوا کہ شکن پڑ گئی ہے چادر پر

(محمد عمر حزیں) (امیر مینائی)

ملنے کا وعدہ منہ سے تو انکے نکل گیا | پوچھی جگہ جو میں نے کہا ہنس کے خواب میں
دامن میں اُنکے خون کی چھینٹیں پڑیں اسیر | بسمل سے پاس ہو نہ سکا اضطراب میں

(رر) (رر)

مزے بتوں کے تو خود لوٹتے ہیں حضرتِ دل | خدا سے مفت مجھے شرمسار کرتے ہیں
کبھی بتوں سے جو کرتا ہوں وصل کی خواہش | خدا کے فضل کا امیدوار کرتے ہیں

(رر) (رر)

نقاش کیا تمام مرقع نے رو دیا | تصویر دیکھ کر میری چشمِ پُر آب کی

(رر) (رر)

یاروں میں خوئے شیشہ ساعت ہوئی تو کیا | ظاہر میں صاف دل میں کدورت ہوئی تو کیا
نکلا نہ گھر سے فاتحہ پڑھنے تمام عمر | کوچے میں اُس کے نام کو تربت ہوئی تو کیا

(رر) (تسلیم)

ہاں زبانِ تیغ رہنے دو دہانِ زخم میں | شکرِ احسانِ ستم کچھ تو ادا ہو جائیگا

(رر) (رر)

میں وہ محرومِ ازل ہوں کہ برنگِ تصویر | نہ کبھی لب پہ میرے حرفِ تمنا آیا

(رر) (رر)

زاہد امیدِ رحمتِ حق اور ہجوِ مے | پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو

(رر) (امیر مینائی)

اپنے پروانے کے جل جانے پر | رات بھر شمع کو گریاں دیکھا

(سید محمود احمد) (منتہی)

جہاں کے بحر میں مثلِ حباب گھر رکھنا
سفرِ عدم کا لگا ہے بندھی کمر رکھنا

اسیر کرکے ہمیں حکم دے گیا صیاد
قفس ہو تنگ تو اونچے نہ بال و پر رکھنا

(سید مودود احمد) (منتہی)

کیا بانکپن کی مشق ہے قربان جائیے
برچھی لگائی جاتی ہے ترچھی نگاہ سے

جل جل کے کتنے خاک ہوئے طالبِ جمال
اُٹھا کبھی دھواں نہ تری جلوہ گاہ سے

بھید ہی نے کھل کے دل کا پتا دیا مجھے
میری نگاہ مل گئی تیری نگاہ سے

(معلن) (جمیل)

مستی نے اپنا رنگ وہاں بھی جما دیا
ہو حق کا شور اُٹھنے لگا خانقاہ سے

(") (داغ)

لگے بڑھنے جب سے کہ ہوش و خرد
لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں

بڑھاپے کی دانائی لے کر کوئی
بدل دے وہ بچپن کی نادانیاں

(") (نامعلوم)

عجب ہی یہ کہ ہر شے میں ہے جلوہ آشکار
اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک دیکھی نہیں

(لالہ جگدیش سہائے ازاناد) (نامعلوم)

شاخوں سے برگ و گل نہیں گرتے ہیں باغ میں
زیور اُتر رہا ہے عروسِ بہار کا

(") (")

گل و قمری میں ہی جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
کل بتا دے گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

فیصلہ گردشِ دوراں نے کیا ہی سو بار
مرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے

عشق ادھر عقل اُدھر دھن میں چلے ہیں تیری
رستہ اب دیکھئے دونوں میں کٹھن کس کا ہے

(عبدالرشید چشتی بی-اے) (حالی)